

30	ایمان کی حقیقت کا، تزکیہ نفس کے بعد حاصل ہونا
31	نصرتِ دین میں کوتاہی سے کارخانہ اسلام میں خلل کا واقع ہونا
33	اسلام کا مظلومیت کے دور میں
34	شریعت کی ترویج کے لئے کام کرنا، سارے کاموں سے افضل ہونا
35	دنیا کا زہر قاتل اور متاع بے سود ہونا
36	نفس کی طرف سے
37	دعائے الوھیت کی کاوشوں کا ہونا
38	اللہ کی طلب اور اسے برقرار رکھنے کی صورتیں
39	ناقص شیخ کی صحبت کا ہلاکت کا باعث ہونا
40	جسمانی اور روحانی رنج و لذتوں کا ایک دوسرا سے مختلف ہونا
41	نیت میں اخلاص کی کمی کا، دل شکستگی کی حالت سے پُر ہوجانا
42	پیدائش کا مقصد ذکر و فکر کے مجاہدوں سے عبدیت کی راہ اختیار کرنا
43	نجات کا صورت اسلام سے نہیں، بلکہ یقین سے ہوگی تقویٰ کی حقیقت
44	اور اس پر گامزن ہونے کی صورت

فہرست مضمایں	
13	تعارف
17	اسلام کے صحیح علمی نقوش اور بہتر روحانی تربیت کی صورت
17	حضرت مجددؒ کی نظر میں نفس کی خواہشوں کی موجودگی میں اللہ کی محبت کا نہ سمانا اور اس کا فلسفہ
19	علم کا اہل علم کے لئے جلت قائم کرنا (علمائے سوء کے حوالے سے بحث)
21	شیطان کا کام، اہل علم کے سپرد ہونا
22	علماء آخرت کی سیاہی کو شہداء کے خون سے وزن کیا جائے گا طریقت کا مقصد
24	شریعت کے علاوہ اور کچھ نہیں
26	شریعت، طریقت اور حقیقت کی تشریح اتباع رسول ﷺ کی اہمیت
27	پُر آشوب دور میں تھوڑے سے عمل کا بھی زیادہ عمل میں شمار ہونا
29	انسان کی ساری مخلوق سے افضل اور بدترین ہونے کے بیان میں

60	عارف کا اپنے اعمال کو سیاہ کار سمجھنے کا احساس بندے کا لا یعنی کاموں میں مشغول ہونا، اللہ سے اس کی دوری کی علامت ہونا
61	جو چیز مقصود ہوتی ہے، وہی معبدود ہوتی ہے ابرار اور مقربین کی عبادت
62	میں فرق
63	دینی علم کی اہمیت عشق و محبت کا،
65	مقامِ عبدیت کا ذریعہ ہونا
67	کچھ فنا کے درجات کے بارے میں روح کی ترقی کا نفس کی مخالفت
69	سے وابستہ ہونا
71	دل پر لگے ہوئے زنگ کو دور کرنے کی صورت۔ اتباع سنت
71	کشف میں القاء شیطانی کا دخل ہونا
72	کشف میں قوت متحیله کا کردار
74	تخلقوا با خلاق اللہ کی تشرع
75	فتیروں کے لباس میں دنیا طلبی کی مذمت
76	

46	بندوں کے حقوق کی عدم ادائیگی اور آخرت کا افلات صوفیائے کرام کی حالت سکر کی باتوں کا میری رگ فاروقیت کے
47	جوش کا سبب بن جانا اہل باطل کی ریاضتوں کا، خاکر و بکر کی ریاضتوں کی طرح ہونا
48	اپنے حالات کی تفتیش کا ناظر یہ ہونا
49	راہ سلوک میں درمیانی راہ کو اصل منزل سمجھنا
50	فقراء کے دروازے کی خاکر و بکر اختیار کرنا، مالداروں کے بیہاں کی صدر نشانی سے بہتر ہونا
51	اہل دنیا کی صحبت کا سمِ قاتل ہونا
52	اہل دنیا کی صحبت سے اس طرح بھاگو، جس طرح شیر سے بھاگتے ہو رنج و غم اور اضطراب کا راہ سلوک کے
54	لوازمات میں شمار ہونا
54	بزرگوں کی روحانیت سے فریب میں مبتلا ہونا
55	درویشوں سے بے نیازی کی روشن سرکشی کے علاوہ کچھ بھی نہیں
56	جب نفس پر حالتِ کفر غالب ہو تو ایمان کی حقیقت کہاں؟
58	عبادت پر غور کا اعمالِ صالحہ کو نیست و نابود کرنا
58	

91	خدا سے دوری کی صورت میں نعمتوں کا آزمائش ہونا
92	کمال محبت کی علامت شریعت کے مخالفوں سے عداوت کا ہونا
	مرض قلبی
95	کو ذکر کثیر کے ذریعہ دور کرنا
95	اللہ کے حقوق کی تعظیم اور مخلوق خدا پر شفقت
96	بندہ مؤمن کے لئے وظیفہ حیات
	کشف کی حیثیت
100	عند اللہ آدھے بُو کے برابر بھی نہیں
101	بزرگوں کو مختلف مقامات پر دیکھنا
	باطنی امراض کے
102	اثرات کے تنازع
	عافت اور خوشحالی کا نیک اعمال
104	اور ذکر سے وابستہ ہونا
104	بلاد ہند میں انبیاء کی دعوت توحید کیوں عام نہ ہو سکی؟
	کفار کو حاصل ہونے والے بعض غیبی
105	امور کے کشف کی حیثیت
106	وراثت انبیاء کی بصیرت افروز تشریع

78	زندگی کا فقراء کے ساتھ گذارنے کا عہد کرنا
79	مبتدی و متنبی کے وسوسوں و خطرات کی نوعیت
	قائل زندگی کو ابدی زندگی کی
80	راحت کے لئے استعمال کرنا
	غیبی صورتوں و شکلوں کے مشاہدہ
82	کا لہو و لعب میں شامل ہونا
	اصل مقصود شریعت ہے
83	احوال و کیفیات کوئی حیثیت نہیں رکھتے
	قیمتی وقت کا ضیاع
84	دونوں جہانوں کی حسرت کا موجب ہونا
	بزرگی کا کمال، کشف
85	وغیرہ سے وابستہ نہیں
	خواجہ حسن بصری
86	اور حبیب عجمی قدس سرہما کا معاملہ
	اولیاء کی صورتوں کا سامنے
87	آنا اور اس کی نوعیت
	غیروں سے آزادی کے بغیر فنا کے مقام کا
88	حاصل نہ ہونا
	جو مقام فنا تک نہ پہنچا
90	اس کا مصیبت زدہ ہونا

	کثرت ذکر کے ذریعہ
120	تہذیب نفس سے پہلے نفلی عبادات کا و بال ہونا فقہی مسائل میں لوگوں کو سہولت دینا چاہے
123	مبتدی، متوسط اور منتهی کے ذکر میں فرق طبعی خواہشوں کا عبدیت کا منافی نہ ہونا
125	مومن کے قلب میں اللہ کی طرف سے واعظ کا مقرر ہونا
127	نفس امارہ کی طرف سے اطاعتِ شیطان کی چاہت کا ہونا
128	کچھ اہم ہدایتیں
129	کفر کے بعد حق تعالیٰ کو سب سے زیادہ رنجیدہ کرنے والی چیز
130	دنیا کے پیچے بھاگنے والے کی حالت زار پر اظہار رنج
132	جمهور علماء اہل حق سے مطابقت
133	دور ابتلاء میں اپنے بیٹوں کے نام مکتب گرامی
136	محبوب کا عتاب محبوب کے انعام سے زیادہ لذت بخش ہونا
139	
143	

107	اپنے اختیار کا شیخ کامل کے اختیار میں گم کرنا شرعی احکام کی ادائیگی میں
108	نفسانی ظلمات کی وجہ سے دشواری کا ہونا
109	فتنے کے خلاف حمیت کا اظہار
110	کچھ نماز کی تاکید کے بیان میں
111	ہزاروں ظلمتوں و کدرتوں کا علاج اتباع سنت اور شیخ سے محبت و اخلاص کا ہونا
112	کچھ ذکر اور درود کے بارے میں
113	مبتدی کے لئے ذکر کی فیصلہ کن اہمیت دعوت کے کام سے بڑھکر کوئی کمال نہیں
114	دوسرے بزرگ سے استفادہ کا سوال
115	دل کے بدلتے ہوئے احوال سے پریشان نہ ہونا چاہیے
116	اسلام کی حقانیت اور باطل کی تیخ کرنی کی کوشش کا ضروری ہونا
117	اصلاح حکومت کی کوشش کا ہونا، بنی آدم کی
118	اصلاح کی کاوش کے برابر ہے

## تعارف

حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات اسلامی علوم اور شریعت و طریقت کا ایک بے بہا خزانہ ہیں، اس میں اسلامی شریعت کی صحیح ترتیب اور طریقت کے ایسے صحیح خطوط واضح اور متعین کئے گئے ہیں کہ اس کے مسلسل مطالعہ سے اس دور میں بھی ذہنی، علمی اور روحانی طور پر گمراہی سے بچاؤ کی بہتر صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ مکتوبات، اسلام کی صحیح و متوازن شاہراہ کی تعین میں وہ کردار ادا کر سکتی ہے کہ فرد و افراد کے لئے جدید فکری میلانات و اثرات سے حفاظت کے ساتھ ساتھ روحانی طور پر بھی بھینکاوت اور معارف، کشف والہام کے جوابات سے بچاؤ میں اہم حیثیت رکھتی ہے۔

اسلامی لٹرپیچر پر گہری نگاہ رکھنے والے جانتے ہیں کہ اسلامی فکر کی صحیح سمت کے تعین، اور قرآن و سنت سے غلط نتائج نکال کر، اس کے اہداف میں تبدیلی اور باطنی مشاہدات کے ذریعہ سلف کی راہ سے جدا گانہ را اختیار کرنے والے صوفیاء کی غلطیوں کی مؤثر طور پر نشاندہی جیسے معاملات میں مکتوبات منفرد اور مثالی حیثیت کی حامل کتاب ہے۔ مکتوبات میں اصلاح نفس کے حوالے سے وہ سارا مoward موجود ہے، جو راہ سلوک کے متوسط و تینی طلبہ اور نفس مطمئنہ کے راہی فرد کو مطلوب ہے۔

زیادہ بہتر طور پر یہ کہنا صحیح ہوگا کہ مکتوبات کی ایک حیثیت تو یہ ہے کہ اس میں اسلام کے صحیح علمی و فکری خطوط اس طرح متعین کئے گئے ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا یہ خطوط آج کے جدید انسان کی دینی معاملات میں رہنمائی کے لئے لکھے گئے ہیں اور ان کے لئے عقیقت، اجتہاد اور جدیدیت کے نام سے حد، سے تجاوز اور فکری طور پر عدم توازن کی راہ اختیار کرنے سے بہتر حکمت عملی سے روکنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ساتھ ساتھ نئے مسائل میں اجتہاد کی ضرورت پر بھی زور دے کر امت کے لئے نئے دور کے چیلنج سے عہدہ برآ ہونے کی راہیں بھی کھولی گئی ہیں۔

مکتوبات کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ اس میں اصول تصوف اور راہ سلوک کے بنیادی خطوط اس بہتر اور مؤثر طور پر پیش کئے گئے ہیں کہ اس اعتبار سے

مکتوبات، تصوف کی نصابی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ راہ سلوک کے لوازمات کیا ہیں۔ فناۓ نفس کی علامتیں، اس کے مرافق اور، اس کی حالتیں کیا ہیں، طالب کو نفس کے مکر و فریب کی کن کن صورتوں سے گزرنا پڑتا ہے، اور ان مقامات سے گذرے بغیر صوفی پر دوسروں کی تربیت کا کام سپرد کرنا کس قدر مہک ہے۔ نیز دوران سلوک ہونے والے کشف والہام اور صورتوں و شکلوں کی حیثیت و نوعیت کیا ہے۔ فناۓ نفس تک رسائی سے پہلے نفسی عبادت اور ذیلی نوعیت کے کاموں میں لگنے کے نقصانات کیا ہیں؟ غرض کہ راہ سلوک کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے، جو مکتوبات میں زیر بحث نہ آیا ہو۔ اس لحاظ سے مکتوبات ہر دور کے علاوہ اس دور میں بالخصوص اہل تصوف کی سب سے اہم اور بنیادی ضرورت ہے۔ تاکہ اس کی روشنی میں اہل تصوف اپنے حالات کا جائزہ لے کر آگے بڑھ سکیں اور دور جدید کی نفس پرستی کی طاقتور قوتوں کے مقابلہ میں افراد کی تربیت کے سلسلہ میں صحیح طور پر کردار ادا کر سکیں۔

مکتوبات کی تیسرا حیثیت یہ ہے کہ اس میں تحفظ دین، احیائے دین اور خدمت دین پر غیر معمولی زور دیا گیا ہے۔ بالخصوص جب دینی اقدار کو مٹایا جا رہا ہو، دین کے بنیادی عقائد پر ضرب کاری لگائی جا رہی ہے۔ الحاد و ہریت کی فضا پیدا کی جا رہی ہو، اس طرح کے حالات میں باصلاحیت اور باحیثیت افراد کے کرنے کا سب سے بہتر کام یہ ہے کہ وہ اس صورتحال کی روک تھام کے لئے بھرپور کردار ادا کریں۔ راہ سلوک میں چلنے والے باصلاحیت و باحیثیت افراد کی روحانی و دینی ترقی میں بھی ان کے لئے یہ کام غیر معمولی طور پر معاون و مددگار ثابت ہوگا۔ دینی حیثیت، دین کے دشمنوں سے بغض و عناد رکھنا، دین کی مظلومیت پر کڑھنا، اس کے لئے فکرمند ہونا، اور اس کام میں اپنے حصہ کا کردار ادا کرنا، مکتوبات میں اس موضوع پر بہت زیادہ زور موجود ہے، اس سلسلہ میں حضرت مجدد کی تحریروں میں وہ درد، وہ بے تابی، اور بے پناہ اضطراب موجود ہے کہ اس کے مطالعہ سے راہ محبت کا متوسط طالب سرپا اضطراب اور سرپا فکرمند بن جاتا ہے۔

مکتوبات کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اہل تصوف کی ذہنی و علمی حیثیت کو دور جدید کی ذہنی و علمی سطح سے ہمہ آہنگ کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے، اس طرح اہل تصوف کے لئے جدید افراد کے لئے رجوع کی بہتر صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک ہزار سالہ خاتمہ کے بعد دوسرے ایک ہزار سال کے لئے مجدد ہیں، مجدد الف ثانی کی شخصیت میں اللہ نے وہ تحریر علمی وہ غیر معمولی بصیرت اور آنے والے زمانہ تک کے حالات کے فہم کی وہ استعداد رکھی تھی اور انہیں روحانی اعتبار سے وہ بلندی عطا فرمائی تھی کہ گویا ہمارے دور کے حالات و مسائل کشفی طور پر ان کے مشاہدہ میں تھے، اس لئے ان کے مکتوبات میں شریعت و طریقت کے معین کردہ خطوط و اصول آج بھی رہنمایانہ نوعیت کے حامل ہیں۔

زیر نظر کتاب اگرچہ مکتوبات کی مختصر تلخیص ہے، تاہم ان مکتوبات میں وہ تاثیری صلاحیت، بلند آہنگی، زور قوت اور علمی رہنمائی کا سامان موجود ہے کہ بار بار کے مطالعہ سے بھی تشقیقی دور نہیں ہوتی، ہر بار کے مطالعہ سے تی تازگی، تی تاثیر اور ایمان و یقین کی نئی قوت محسوس ہوتی ہے اور معلومات کا ایک نیا خزانہ ملتا ہے۔ دین پر استقامت سے چلنے کا نیا حوصلہ ملتا ہے۔

ہم نے ہر متن کوشش کی ہے کہ مکتوبات کی اس تلخیص کی زبان کو سہل سے سہل تر کیا جائے، تاکہ اس کے فہم کے راستے کی روایتیں دور ہوں، اس کے ساتھ ساتھ ہم نے ہر مکتب کی توضیح و تشریح کی بھی کاوش کی ہے۔ ہماری آرزو ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں اس تلخیص میں اضافہ کر کے مکتوبات کی تینوں جلدیوں کی ایک جامع تلخیص تیار ہو جائے۔

مکتوبات کی اس تیاری یعنی زبان کو آسان کرنے اور اس کی تشریح میں ہم سے جو کو تھیاں اور غلطیاں ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے۔

یہ کتاب ایک طرح کا آئینہ ہے، جس میں حضرت مجدد کے مکتوبات کی روشنی میں ہم اپنی نفسی حالت کو دیکھ سکتے ہیں۔ دوسروں کی بات ہی کیا کی جائے، اپنی حالت ہی ڈگرگوں اور قبل رحم ہے۔ اپنا وجود سراپا قصوروں کا مجسمہ ہے۔ ایک درویش نے جو بات کہی تھی، وہ ہم جیسے افراد کی حالت زار کو پیش نظر رکھر ہی کبی تھی کہ دل چاہتا ہے کہ بازار میں اپنے قصوروں کا ڈونڈورا پیٹا جائے کہ یہ وہ شخص ہے، جسے محبوب نے قیمتی زندگی عطا فرمائی تھی، اس زندگی کو اس نے غفلت و سستی اور نفس کو آسانیش فراہم کرنے میں صرف کر دیا، ایسا کرنے سے شاید نفس منتبہ ہو جائے، سنپھل جائے اور غفلت سے نکلنے پر آمادہ ہو جائے، نیز شاید اس طرح

محبوب حقیقی کی نگاہ التفات پڑ جائے اور وہ وجود کو نفس پرستی کی دلدل سے نکلنے کی صورت پیدا کر دے۔ اور غفلت کے جوابوں سے نکال کر دامن رحمت میں شامل فرمادے۔ حضرت مجدد کا بیان کردہ یہ نکتہ بہت اہم ہے، جسے سمجھنا از حد ضروری ہے کہ ابرار اور مقریبین کے اعمال کی نوعیت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے، ابرار (یعنی نیکوکار) نفس پرستی کی قوتوں کا پوری طرح اور اک نہیں رکھتے، جس کی وجہ سے وہ روزمرہ زندگی میں نفس کی فریب کاریوں اور اس کی واردات کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کے اعمال میں اخلاص و للهیت پوری طرح شامل نہیں ہو پاتا اور اس میں نفس و نفسانیت کی آمیزش موجود ہوتی ہے۔

جب کہ مقریبین کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اندر میں غوطہ زن ہونے اور محبوب کے انوار حسن کی شعاؤں کی وجہ سے نفس کی ظلمات کا آئینہ ہر وقت ان کے سامنے ہوتا ہے، اس آئینہ میں جب وہ اپنے اعمال میں ظلماتِ نفس کے ٹکڑے کو دیکھتے ہیں تو وہ ترپ اٹھتے ہیں، اس وجہ سے انہیں اپنے سے بڑھ کر سیاہ کار کوئی نظر نہیں آتا اور ان کے غتاب کا نشانہ سب سے زیادہ ان کی اپنی ذات ہی ہوتی ہے۔ مقریبین جوں جوں قرب میں ترقی کرتے رہتے ہیں، اللہ کی شان عظمت کے مشاہدہ اور خود احتسابی کی وجہ سے انہیں اپنی ہستی کا العدم ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور اعمال میں نفس کی آمیزشوں کی شکایت اور محبوب حقیق کی قدر نہ کرنے کے احساس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، ان کی یہی ادا ہے، جو انہیں ابرار سے جدا کرتی ہے۔

مقریبین کا خود احتسابی کا نہ ختم ہونے والا یہ عمل ایسا ہے، جو انہیں دعویٰ اور دوسروں کی تحقیر سے بچانے کا موجب بنتا ہے اور عبدیت کے رنگ میں رنگ جانے کا ذریعہ بھی۔ عبدیت یعنی بندہ ہونے کے ہمہ وقت احساس کا غلبہ ہی تخلیق انسانی کا اصل ہدف ہے، مقریبین کا اصل ہدف اسی مقصد کا حصول ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہ ان کی مسلسل جدوجہد اور مسلسل فرمادی کو دیکھتے ہوئے بالآخر انہیں مقام عبدیت پر فائز فرماتا ہی ہے۔ یہی سب سے بڑی سعادت ہے جو اہل اللہ کو حاصل ہے، کاش ہمیں بھی اس کا ذرہ حاصل ہو جائے۔

## اسلام کے صحیح علمی نقوش اور بہتر روحانی تربیت کی صورت حضرت مجددؒ کی نظر میں

نفس کی خواہشوں کی موجودگی میں  
اللہ کی محبت کا نہ سمانا اور اس کا فلسفہ

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "المرء مع من احب" (آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس کی محبت ہے)۔ پس خوش نصیب ہے، وہ فرد جس کے قلب میں اللہ کے سوا کسی کی محبت نہ ہو اور وہ اللہ کی مرضیات کے علاوہ کسی چیز کا ارادہ نہ کرے۔ ایسا فرد اللہ کے ساتھ ہی ہے، اگرچہ اس کا ظاہر مخلوق کے ساتھ ہو۔ قلب میں ایک سے زیادہ کی محبت نہیں ہوتی، جب تک کسی ایک سے محبت کا تعلق قائم ہے اس کے مساوا سے محبت نہیں ہوگی اور یہ جو دیکھنے میں آتا ہے کہ انسان کو متعدد چیزوں سے محبت ہے، جیسا کہ مال، اور اولاد، مرح، لوگوں کی نظر میں بڑائی کا جذبہ، درحقیقت یہ ساری چیزوں مل کر ایک ہی چیز بنتی ہیں اور وہ نفس ہے۔ ان ذکورہ بالا ساری چیزوں کی محبت اسی ایک نفس کی محبت کی شاخ ہے، کیونکہ فرد یہ ساری چیزوں نفس ہی کے لیے چاہتا ہے۔ بذات خود یہ اشیاء مقصود نہیں ہوتی، جب فرد (یعنی طالب سے) اپنے نفس کی محبت زائل ہوئی تو ان ساری چیزوں کی محبت بھی زائل ہوگئی۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ بندہ اور رب کے درمیان اصل حجاب نفس ہی ہے، دنیا حجاب نہیں ہے، اس لیے کہ دنیا فی نفسہ بندے کا مقصود نہیں کہ اس کو حجاب قرار دیا جائے۔ بندے کا مقصود تو نفس ہے، لہذا وہی حجاب بھی ہے۔ پس جب تک فرد، نفس کی خواہشوں سے خالی نہ ہوگا رب اس کا مقصود نہ بننے گا اور اس کے دل میں محبت خدا نہیں سما سکتی۔ یہ دولت عظیمی (یعنی اللہ کی کامل محبت) فنا مطلق سے

کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے (یعنی نفس کی قوتوں کی بڑی حد تک پامالی کے بعد) اور فنا مطلق ذاتی تجلی سے تعلق رکھتی ہے، نفس کے ظلمات کا دور ہونا، آفتاب کے طلوع ہوئے بغیر ممکن نہیں۔ جب یہ محبت جس کو ذاتی محبت سے تعبیر کیا جاتا ہے، حاصل ہوگئی۔ تو محب کے نزدیک محبوب کی طرف سے غم و تکلیف دونوں مساوی ہو گئے، اخلاص بھی اسی وقت حاصل ہوگا، اب طالب اپنے رب کی عبادت اپنے نفس کے لیے نہیں کرے گا کہ انعام طلب کرے اور رنج و غم کو دفع کرے، اس لیے کہ اس مقام پر پہنچے کے بعد یہ دونوں چیزیں اس کے نزدیک برابر ہو جاتی ہیں۔ اخ (مکتب ۲۲، دفتر اول، بنام محمد قبیح خاں)

### تشریح

اس مکتب میں جملہ اہل اللہ کے تجربات و مشاہدات اور تعلیمات کا نچوڑ پیش فرمایا گیا ہے کہ جب تک قلب میں دوسری چیزوں کی محبت موجود ہے، تب تک اس میں اللہ کی محبت سما نہیں سکتی، اگرچہ رسی طور پر فرانس کی بجا آوری کی صورت بھی پیدا ہوتی رہے، لیکن غیروں کی محبت قلب کو اللہ کی طرف سے دور کرنے کا سبب بنتی رہے گی۔ نفس، جو قلب کو یغماں بنائے رکھتا ہے، اس کی اصلاح کی صورت ذکر و فکر اور محبت اہل اللہ کے ذریعہ اسے فنا کے مقام تک پہنچانا ہے، فنا کے مقام تک رسائی کے بغیر نہ تو قلب کو نفسی قوتوں سے آزادی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ہی قلب میں اللہ کی محبت مستحکم ہوتی ہے۔

محبوب حقیقی اور بندے کے درمیان اصل حجاب نفس اور اس کی قوتیں ہیں، جب تک ان قوتوں کے اثرات کا غالبہ موجود ہے، تب تک اللہ مقصود نہیں بن سکتا، اللہ تو فرد کا اسی وقت حقیقی مقصود و معمود بنتا ہے، جب خواہشات نفس کا بت خانہ ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے، اور اس بت خانہ کے سامنے نہ صرف سجدہ ریز ہونے سے بیزاری پیدا ہوتی ہو۔ بلکہ اس بت خانہ کی طرف دیکھنے سے ہی وحشت پیدا ہونے لگتی ہو۔ جب تک طالب کا سفر اس مقام تک نہیں پہنچتا اور وہ فنا مطلق سے

نے مرد فاجر کے متعلق تائید دین خبر دی ہے اور فرمایا ہے۔ ”ان اللہ لیؤید هذا الدین بالرجل الفاجر“ (بیتک اللہ تعالیٰ دین اسلام کی خدمت کسی مرد فاجر سے بھی لے لیتا ہے) ایسے علماء پارس پتھر کی مانند ہیں کہ تابنا اور لوہا جو بھی اس تک پہنچتا ہے سونا ہو جاتا ہے، لیکن وہ خود پتھر ہی ہے۔

جو آگ پتھر اور بانس میں پوشیدہ ہے، اس کا حال بھی یہی ہے کہ مخلوق کو تو اس آگ سے نفع حاصل ہوتا ہے، لیکن خود وہ پتھر اور بانس اپنی آتش درونی سے بے نصیب ہیں، بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ علم ان علماء سوء کے حق میں نقصان رسائی ہوتا ہے اس لیے کہ وہ ان پر جلت قائم کر دیتا ہے۔ (مکتب ۳۳، دفتر اول، بنام حاجی محمد لاہوری)

### تشریح

اہل علم اس وقت جس آزمائش سے دوچار ہیں، وہ دنیا و مادیت کے غیر معمولی دباؤ کی آزمائش ہے، ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کے پاس سامان زندگی کی بہتات ہو، کثرت ذکر کے نور سے دل کے خالی ہونے کی وجہ سے دنیا و مادیت کے اس سیالب سے مقابلہ کی قوت موجود نہ رہی۔ پھر علم اپنے ساتھ حب جاہ کے جواہسات لاتا ہے، وہ بھی اپنا کام کر رہے ہیں، اس طرح خود اہل علم کے بکاڑ کی داخلی و خارجی بہت ساری صورتیں پیدا ہو گئی ہیں، جب تک علم کے ساتھ نور معرفت کے حصول کے لئے مجاہدے نہیں ہوں گے، علم کی آفت سے بچاؤ کی صورت کا پیدا ہونا دشوار ہے خدمت دین کا کام یقیناً اہمیت کا حاصل ہے اور بڑی سعادت کا کام ہے، لیکن دین کی تائید و مدد پر اکتفا کرنا، باطن میں موجود نفس پرستی کے بتوں سے نجات کی فکر کا نہ ہونا اور اس کے لئے ذکر و فکر کے مجاہدوں سے کام نہ لینا، یہ ایسی حماقت ہے جو مناسد میں بنتا ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اکبر بادشاہ کے دور میں ان کو بعض ذہین علماء نے اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی خاطر، نئے دین الہی کی راہ اختیار کرنے اور اس نئے دین کے بنیادی خطوط معین کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا!

حالت بقا میں نہیں آتا، تب تک ذکر و فکر اور صحبت اہل اللہ کے مستقل اهتمام کی ضرورت لاحق رہتی ہے۔

جب اسم ذات کی تجلیات سے قلب آفتاب نور سے منور ہو جاتا ہے تو نفس کی تہذیب کا عمل پانیدار صورت اختیار کر جاتا ہے۔

اس کے بعد ہی فرد کو محبوب حقیقی کی رضامندی کی زندگی نصیب ہوتی ہے اور بندہ محبوب کی عطا یا عدم عطا کو یکساں سمجھنے لگتا ہے۔

اگرچہ بعض کچھ افراد کے ساتھ اللہ کا خاص الخاص فضل شامل ہو جائے اور انہیں ان مرافق سے گزارے بغیر بھی نفس کے بت خانے سے نجات فرمائے اور اپنی کامل رضامندی والی زندگی نصیب فرمائے، لیکن یہ استثنہ ہے۔ اللہ کی اصل سنت یہی ہے، جو بیان فرمائی گئی۔

اس مکتوب کی روشنی میں اگر ہم اپنا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ ہم جیسے عامی طالب تو نفس پرستی کے سمندر میں غوطہ زن ہیں۔ فاۓ مطلق تو دور کی بات ہے، سرے سے فنا کے بنیادی اجزاء سے محرومی ہے۔

ہماری اس طرح کی حالت میں اللہ ہمارا حقیقی مقصود و معبود بن جائے، دشوار ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ عام طور پر موجودہ اہل تصوف مال دنیا کے خوف و خطرات سے دوچار ہیں اور مالداروں کو گھرے میں رکھنے کے لئے متکر رہتے ہیں۔ (مرتب)

علم کا اہل علم کے لئے جلت قائم کرنا  
(علمائے سوء کے حوالے سے بحث)

اہل علم کا دنیا سے محبت کرنا اور اس سے رغبت رکھنا، ان کے چہرہ جمال پر بدنماداغ ہے۔

ایسے علماء سے اگرچہ غلق کو فائدہ حاصل ہو جائے، لیکن ان کا علم خود ان کے حق میں نافع نہیں ہوتا۔ اگرچہ ان سے تائید شریعت اور تقویت ملت کا کام ہو، مگر یہ تائید و تقویت فاسقوں و فاجروں سے بھی ہو جایا کرتی ہے، جیسا کہ سید الانبیاء ﷺ

اس وقت بھی معاشرہ میں مسلمانوں میں فرقیواریت کو فروغ دینے اور ایک دوسرے کے خلاف نفرت کی فضا پیدا کرنے میں اہل علم ہی کا کردار ہے۔ علم کے ساتھ اگر تقویٰ اور خشیت الہی نہیں ہے تو ایسے علم کی مثال ڈاکوؤں کو ہتھیار فراہم کی سی ہے۔ جب کہ بغیر ہتھیاروں کے ڈاکو خوفناک لوٹ مار نہیں چاہ سکتے۔ (مرتب)  
شیطان کا کام، اہل علم کے سپرد ہونا

ان اشد الناس عذاباً يوم القيمة عالم لم ينفعه الله بعلمه۔ (بیشک)  
قیامت کے دن سب سے زیادہ شدید عذاب اس عالم پر ہوگا جس کے علم سے اللہ تعالیٰ نے اس کو نفع نہیں پہنچایا) اور (علم ایسے علماء کے حق میں) مضرت رسالہ کیوں نہ ہو، جبکہ اس علم کو جو اللہ کی نظر میں دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ عزیز اور اشرف ہے اسے دولت دنیا اور مال و جاہ و ریاست کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ حالانکہ یہ چیزوں حق تعالیٰ کی نظر میں ذلیل و خوار ہیں اور بدترین مخلوقات۔ پس عزیز خدا کو حقیر کرنا اور اللہ کے نزدیک جو چیز ذلیل ہے (دنیا) اس کو عزت دنیا انتہائی بڑا فعل ہے، یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کرنا ہے۔ درس و تدریس اور افقاء کا عمل اس وقت نافع ثابت ہوتا ہے، جبکہ خالص اللہ کے لئے ہو اور وہ حب جاہ و ریاست اور حصول مال اور شان و شوکت کے جذبات سے خالی ہوں۔ اور اس کی علامت دنیا و مافیا سے بے پرواہ اور بے رغبت ہونا ہے، جو علماء دنیا کی محبت کے مرض میں مبتلا ہیں، وہ علماء دنیا ہیں اور یہی علماء سوء، مخلوق میں سب سے زیادہ شریر اور دین کے رہنما ہیں۔ چاہے وہ اپنے آپ کو مقتداء دین اور بہترین خلاق جانتے ہوں۔  
وَيَسْخَسِّئُنَ الَّهُمَّ عَلَى شَيْءٍ إِلَّا هُمُ الْكَاذِبُونَ اسْتَحْوَذُ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَسْأَفُمُهُمْ ذُنُكَ اللَّهِ أُولَئِكَ جَزْبُ الشَّيْطَانِ إِلَّا جَزْبُ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ۔ (گمان کرتے ہیں کہ وہ کچھ مفید کام انجام دے رہے ہیں۔ آگاہ رہو یقیناً وہ لوگ اپنے اس خیال میں جھوٹے ہیں، ان پر شیطان غالب آگیا ہے، اس نے اللہ کی یاد کو ان کے دلوں سے فراموش کر دیا ہے، یہ جماعت لشکر شیطان ہے۔ آگاہ رہو کہ بے شک و شبہ لشکر شیطان کے افراد

خمارے میں ہیں)۔ (ایضا)

## تشريع

علم کے ساتھ معرفت کے اجزاء کا حاصل ہونا ضروری ہے، معرفت عام طور پر کسی اہل اللہ کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔ دوسری صورت میں علم اپنے ساتھ دعویٰ اور حب مال کے جذبات ساتھ لاتا ہے، آج کل علم کے ذریعہ سے معاشرہ میں جو انتشار و تفرقی موجود ہے، اس کا بنیادی سبب معرفت کے اجزاء سے محروم ہے۔ معرفت خود اختسابی کا ذریعہ ہے۔ معرفت ایک ایسا آئینہ ہے، جس میں فرد اپنے نفس کی حالت اور اس کی خوبیوں و خامیوں کا ہر وقت خود ہی مشاہدہ کرتا رہتا ہے، معرفت کی اس اہمیت کی وجہ سے ہی امت میں صدیوں سے علم کے ساتھ معرفت اور روحانی تربیت کا بھی خصوصی اہتمام رہا ہے بدقسمتی سے موجودہ دور میں علم سے تزکیہ اور تہذیب نفس کے کام کو جدا کر دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے علم، معاشرہ میں محبت و رواہداری اور اخلاق حسنہ پیدا کرنے اور جوڑ کی بجائے افراد معاشرہ میں توڑ پیدا کرنے کا ذریعہ بن گیا ہے۔ اور خدا سے قربت کی بجائے نفس سے قربت کا موجب بن گیا ہے۔

علم سے دعویٰ و تکبر جیسے جراشیم کو نکالنے کے لئے صحبت علمائے ربانی اور ذکر و فکر کے غیر معمولی مجاہدوں کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد ہی علم، افراد اور خود معاشرہ کے لئے باعث خیر بن سکتا ہے۔ (مرتب)

علماء آخرت کی سیاہی کو شہداء کے خون سے وزن کیا جائے گا

وہ علماء جو دنیا سے بے رغبت ہیں اور جاہ و ریاست، مال و رفعت کی محبت سے آزاد ہیں، وہ علماء آخرت ہیں، اور انہیاء علیہم الصلوٰۃ والتسیمات کے وارث ہیں۔ بہترین خلاق وہی ہیں کل قیامت میں ان کے قلم کی سیاہی کو شہداء نی سیمیل اللہ کے خون کے ساتھ وزن کیا جائے گا اور ان کی سیاہی کا پلہ غالب رہے گا۔ نوم

العلماء عبادة (علماء کی نیند عبادت ہے) یہ ایسے ہی علماء کے حق میں ثابت ہے۔ یہی وہ افراد ہیں کہ جمال آخوت جن کی نظر میں مستحسن ہے اور دنیا کی مرأی ان کے مشاہدے میں آگئی ہے، انہوں نے آخرت کو پائدار دیکھا ہے اور دنیا کو زوال سے داغدار پایا ہے۔ بیشک انہوں نے خود کو باقی کے سپرد کر دیا اور فانی سے علیحدہ رکھا ہے۔ دنیا کو ذلیل رکھنا عظمت آخرت کے لوازم میں سے ہے۔ دنیا و آخرت آپس میں سوتون سوتن ہیں، اگر ایک راضی ہوئی، دوسری ناراض ہوگئی۔ اگر دنیا عزیز ہے تو آخرت خوار ہے اور دنیا خوار ہے تو آخرت عزیز ہے۔ ان دونوں کا جمع ہونا، ایک دوسرے کی ضد ہے۔ ہاں مشائخ کی ایک جماعت نے جس نے اپنی خودی اور اپنے ذاتی ارادہ سے نجات حاصل کر لی ہے، صحیح نیتوں کے ساتھ اہل دنیا کی صورت بنالی ہے اور بظہر راغب دنیا نظر آتے ہیں، لیکن فی الحقيقة ان کو کوئی تعلق دنیا سے نہیں ہے۔ دنیا و مافیا سے ان کا باطن بالکل آزاد اور فارغ ہے۔ **رِجَالٌ لَا تُلْفِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا يَيْقُعُ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ**۔ کوئی چھوٹی بڑی تجارت ان کے حق میں ذکر خدا سے مان نہیں ہوتی۔ وہ تجارت ویج سے تعلق رکھتے ہوئے بھی بے تعلق ہیں۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ: میں نے منی کے بازار میں ایک تاجر کو دیکھا کہ کم و بیش پچاس ہزار اشتر فیوں کا مال اس نے خریدا اور بیچا، لیکن اس کا دل ایک لختے کے لیے بھی حق تعالیٰ سے غافل نہیں ہوا۔ (ایضا)

### تشريع

علماء کی اصل شان، دنیا سے بے رغبت ہونا اور فکر آخرت کا استحضار ہے، آپ کا میان کرده یہ کلتہ بہت اہم ہے کہ دنیا کو ذلیل رکھنا، عظمت آخرت کے لوازم میں سے ہے۔ اصل علماء وہی ہیں، جن کا دل اللہ کے ذکر اور اس کی خیثت سے سرشار رہتا ہے، یہی علماء لوگوں کی رہنمائی کر کے، انہیں ظلمات نفس سے بچانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اس مکتوب میں حضرت مجدد نے علماء و مشائخ کے لئے دنیا سے بے نیازی کی روشن اختیار کرنے پر غیر معمولی زور دیا ہے، یہ مکتوب موجودہ دور کے بالخصوص مجددیہ

سلسلہ سے وابستہ ان سجادہ نشینوں کے لئے لمحہ فکری یہ ہے، جو درویشی و بزرگی کے نام پر سرماںیداروں اور ڈیروں کی طرح شان و مان سے رہتے ہیں۔ خادموں اور نوکروں چاکروں کے جلو میں رہتے ہیں۔ عام لوگوں کی ان تک رسائی دشوار تر ہے، البتہ ان کے دروازے مالداروں کے لئے ہر وقت کھلے ہیں۔ سرماںیداروں اور ڈیروں سے مشابہت والی یہ زندگی درویشی اور بزرگی کے لقدس کو محروم کرنے کے متراوے ہے۔ یہاں اس حدیث شریف کو پیش رکھنا بھی ضروری ہے کہ ”علماء کرام دین کے امین ہیں، لیکن جب وہ مالداروں سے تعلقات قائم کریں گے تو وہ دین کے رہن بن جائیں گے“، اللہ، ہمیں اس حدیث کا مصدقہ بنانے سے بچالے۔ (مرتب)

### طریقت کا مقصد

### شریعت کے علاوہ اور کچھ نہیں

شریعت کے تین جزو ہیں: (۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص۔ جب تک یہ تین جزو موجود نہ ہوں شریعت ثابت نہ ہوگی اور شریعت متحقق نہ ہوگی۔ اللہ کی یہ رضا ہی دین و دنیا کی ضامن ہے، اب کوئی مقصد نہ رہا کہ جس کے لئے شریعت کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت ہو۔ طریقت و تحقیقت، جن کے ساتھ صوفیاء ممتاز ہیں دونوں شریعت کے جزو ہیں سوم یعنی اخلاص کی تکمیل کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ پس ان دونوں کی تحصیل سے غرض شریعت کی تکمیل ہی ہے، نہ کہ شریعت کے علاوہ کوئی اور چیز احوال و مواجهی، علوم و معارف، جو صوفیاء کو دوران سلوک حاصل ہوتے ہیں، وہ مقاصد نہیں ہیں، بلکہ ان کی حیثیت ان خیالات کی ہے، جن سے طریقت کے بچوں کی تربیت ہوتی ہے۔ ان سب چیزوں سے آگے بڑھ کر مقام رضا کے مقام تک پہنچنا چاہئے، کیونکہ یہی وہ مقام ہے۔ جو سلوک کا انتہا ہے۔ اس لیے کہ طریقت و تحقیقت کی منزلوں کو طے کرنے سے مقصود اخلاص کا حصول ہے، اخلاص کے سوا اور کچھ نہیں۔ رضائے باری تعالیٰ کا یہی ذریعہ ہے تجلیات و مشاہدات عارفانہ سے گذار کر اخلاص اور مقام رضا تک ہزار میں سے کسی ایک کوششکل سے پہنچایا جاتا ہے۔

کوتاہ نظر لوگ احوال و کیفیات کو مقاصد میں شمار کرتے ہیں اور مشاہدات و تجلیات کو مطالب میں، اسی وجہ سے وہ وہم خیال کے قید میں رہتے ہیں اور کمالات شریعت سے محروم۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ مقام کے حصول اور اللہ کی رضا کے وصول کے لئے یہ حالات و کیفیات اور علوم و معارف راہ کے لوازمات میں سے ہیں، یہ حقیقت مقصود نہیں۔ آنحضرت ﷺ کے صدقے میں مجھ پر کامل دس سال تک اس راہ میں چلتے رہنے سے یہ حقیقت واضح ہوئی ہے، اور ”شہید شریعت“ کما حقہ جلوگر ہوا ہے، اگرچہ میری شروع سے یہ حالت تھی کہ میں احوال وجد میں گرفتار نہ تھا اور شریعت پر استقامت سے گامزن ہونے کے علاوہ کوئی مقصد میرے پیش نظر نہ تھا، لیکن پورے دس سال کے بعد مجھ پر یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہوئی۔ (مکتب ۳۶ دفتر اول بنام حاجی محمد لاہوری)

### تشریح

شریعت کی یہ تشریع کہ وہ علم، عمل اور اخلاق کے تین اجزاء پر مشتمل ہے۔ ان تینوں میں اگر ایک ہی جز کی کمی ہوگی تو فرد کی شریعت ناقص اور ناقابل قبول سمجھی جائے گی۔ یہ بہت بہترین تشریع ہے، جب علم، عمل اور اخلاق، یہ تینوں چیزوں حاصل ہو گئیں تو اس کے بعد کسی مزید چیز کے حاصل ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت لاحق نہیں، لیکن علم اور عمل کی کچھ توفیق حاصل ہو بھی گئی تو اخلاق و لمحیت کا حصول اور سارے اعمال میں خالص اللہ کی رضامندی کے مقصد کا پیش نظر ہونا، یہ سب عظیمی حاصل ہو جائے تو ستا سودا ہے، اس لئے کہ اللہ کے ہاں اعمال کی قبولیت کا مدار اخلاص سے وابستہ ہے۔

اس مکتب میں حضرت مجدد نے ایک غلط فہمی کو دور فرمایا ہے، وہ یہ کہ تصوف و راہ سلوک کا مقصود کشف و کرامات اور دوسری دنیا کے مشاہدات نہیں، بلکہ صرف اور صرف اسلامی شریعت پر استقامت سے گامزن ہونا ہے، اس مکتب کی روشنی میں

جب تصوف کی عام کتابوں یا اہل تصوف سے وابستہ افراد کی طرف سے کشف و مواجهہ پر زور و اصرار سامنے آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ منزل راہ کی درمیانی چیزوں کو فیصلہ کن اہمیت دے کر، اصل منزل تک رسائی سے دوری اختیار کر لی گئی ہے، اس لئے ہزار میں سے بہشکل ایک فرد منزل پر پہنچ پاتا ہے۔ (مرتب)

### شریعت، طریقت اور حقیقت کی تشریع

#### اتباع رسول ﷺ کی اہمیت

باطن، ظاہر کا مکمل کرنے والا ہے، ان دونوں میں باہم گر سر مو مخالفت نہیں، مثلاً جھوٹ زبان سے نہ بولنا شریعت ہے، اور دل میں جھوٹ کا نظرہ نہ آنے دینا طریقت و حقیقت ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے، اگر یہ بات اہتمام سے کرنی پڑتی ہے تو طریقت ہے، اور اگر کوشش کے بغیر از خود یہ استعداد حاصل ہے تو حقیقت ہے۔ پس حقیقت میں باطن یعنی طریقت و حقیقت۔ ظاہری شریعت کی تکمیل کرنے والا ہے۔ پس راہ سلوک کے طالبوں پر اگر دوران سلوک ایسے امور ظاہر ہوں، جو ظاہر شریعت کے مخالف ہیں تو اسے غلبہ حال پر سمجھا جائے گا۔ ہر وہ چیز جس میں اخلاق و شماں میں محبوب ظاہر ہوں طبیعت محبوب، محبوب ہو جاتی ہے۔ آیۃ فَاتِبْعُونِی يُعْبِّرُكُمُ اللَّهُ (اے رسول! کہہتے ہیں) کہ میری اطاعت کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اس آیت میں اسی چیز کا بیان ہے۔ پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کی کوشش کرنا، طالب کو محبوبیت کے مقام تک پہنچاتا ہے۔ اس لئے ہر عاقل فرد پر ظاہری اور باطنی طور پر اللہ کے رسول ﷺ کے اتباع کے لئے کوشش ہونا لازمی ہے۔ (مکتب ۳۹ دفتر اول بنام شیخ محمد خیری)

### تشریح

تصوف کی ساری ریاضتوں کا حاصل اللہ کی اطاعت اور اللہ کے رسول ﷺ کی ہر سنت پر عمل پیرا ہونا ہے۔ ”طریقت“ کا اصل مقام یہی ہے، جس میں اسلامی

شریعت اور ہر سنت پر عمل پیرا ہونا آسان ہو جاتا ہے۔ ”طریقت“ میں مسلسل مجاہدوں سے گزرنما پڑتا ہے، اور نفس کے خلاف شدید مسخر کردہ آرائی کر کے اسے اسلامی شریعت پر چلانا پڑتا ہے۔ ظاہر کی اصلاح ہونا شریعت ہے، جب کہ باطن کی اصلاح ہو کر، اللہ سے مناسبت کا تعلق پیدا ہونا اور مستحکم ہونا، یہ طریقت ہے۔ جب شریعت و طریقت میں استقامت حاصل ہو جائے اور شریعت پر اخلاص کے ساتھ عمل پیرا ہونے کے ذریعہ اللہ کی رضامندی کا مقصد، زندگی کا ہدف بن جائے تو یہ ”حقیقت“ ہے۔ اس ”حقیقت“ تک رسائی کے بعد طالب کے ذکر و فکر کے غیر معمولی مجاہدے کم ہو جاتے ہیں اور اس میں دوسروں کی تربیت کی فکر غالب آنے لگتی ہے۔ (مرتب)

### پُر آشوب دور میں تھوڑے سے عمل کا بھی زیادہ عمل میں شمار ہونا

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرَجْتُ لِلنَّاسِ۔ (آیتہ) (یعنی تم بہترین امت ہوئے جس کو لوگوں کے فائدے کے لیے پیدا کیا گیا ہے) کا امتیاز ان کے لیے ”نقہ وقت“ ہے۔ اس کے مقابلے میں آنحضرت ﷺ کی تکذیب کرنے والے بدترین بنی آدم ہیں۔ اُغْرَابُ أَهْلُكُفْرًا وَنَفَاقًا۔ (یعنی مکر بدوکھ اور نفاق میں سخت ترین ہیں) ایسے لوگوں کی شاندی آیت کر رہی ہے دیکھنا چاہئے کہ، کس خوش نصیب کو اتباع سنت کی دولت سے نوازا جاتا ہیں اور شریعت کی پیروی سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ اس (پُر آشوب) زمانہ میں کئے ہوئے اس تھوڑے سے عمل کو جو آنحضرت ﷺ کے دین کی تقدیق کے ساتھ انجام دیا جائے ”کثیر عمل“ کے درجہ میں رکھا جائے گا۔

اصحاب کہف نے جو اعلیٰ درجات حاصل کیے، وہ صرف ایک نیکی کی وجہ سے ہی تو حاصل کیے تھے (جو بر وقت ہوئی تھی) اور وہ نیکی نورِ ایمان و یقین کے ساتھ بحرث کا عمل تھی، ایسے وقت میں جبکہ حق کے مخالفوں کا غلبہ ہو رہا تھا۔ مثال کے طور پر لکھتا ہوں کہ سپاہی اگر دشمنوں کے غلبے کے زمانے میں (وفاداری کے ساتھ) تھوڑی سی جدوجہد بھی کرتے ہیں تو ان کی وہ جدوجہد بہت ہی نمایاں اور قابل قدر

شمار ہوتی ہے جب کہ امن کے زمانہ کی جدوجہد اور وفاداری کا اعتبار ویسا نہیں ہوتا پھر چونکہ آں سرور، رب العالمین کے محبوب ہیں، اس لیے آپ کے تبعین، آپ کی اطاعت کے طفیل محبوبیت کے مرتبے پر فائز ہوتے ہیں، یہ قاعدہ ہے کہ محبت، جسے اپنے محبوب کے اخلاق و شماں پر دیکھتا ہے اسے محبوب رکھتا ہے۔ نافلین دین کی بدجھتی کا بھی یہیں سے اندازہ کرنا چاہئے۔

محمد عربی کا بروئے ہر دوسر است  
کے کہ غاک ورش نیست غاک برس او

اگر بحرث ظاہر میسر نہیں تو ”بحرث باطنی“ کو بہت زیادہ ملحوظ رکھا جائے کہ بظاہر تو لوگوں کے ساتھ ہیں لیکن درحقیقت ان کے ساتھ نہ ہوں (یعنی ان کا غالط رنگ قول نہ کریں) اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے آباء کرام کے راستے پر ثابت قدم رکھے۔ (مکتوب ۲۲ دفتر اول بنام شیخ فرید بخاری)

### تشريح

اس مکتوب میں راہ سلوک میں چلنے والے باصلاحیت و باحیثیت طالب کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ سلوک مکمل ہونے کا انتظار کئے بغیر اپنے دائرہ میں جزوی طور پر خدمت دین اور تحفظ اسلام کا کام شروع کر دے، ذکر و فکر اور صحبت کے ذریعہ ہونے والے اس کام میں برکت ہوگی اور ان شاء اللہ اس کام میں نفسی آمیزشوں سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوگی، البتہ دوسروں کی تربیت کا کام منتہی صوفی ہی کر سکتا ہے۔ تحفظ اسلام کے محاذ پر مبتدی و متوسط بھی کردار ادا کر سکتا ہے، اگر اس نکتہ کو سمجھا جائے تو اہل تصوف کی طرف سے باطل سے مقابلہ کے محاذ پر غیر معمولی خدمت کا کام ہو سکتا ہے۔ فتنہ کے زمانہ میں دین کے دفاع کے کام کی اہمیت غیر معمولی طور پر بڑھ جاتی ہے اور اس محاذ پر ہونے والا کام ”کثیر عمل“ میں شمار کیا جائے گا، اس لئے کہ لوگوں کو الحاد و دھریت ولادینیت سے بچا کر، انہیں دین کی طرف راغب کرنا، انہیں اللہ کے عتاب سے بچا کر، سعادت دارین کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔ اس اعتبار سے یہ

میں نفس پرستی کی عادتیں مستحکم ہو جاتی ہیں، یہ انسان کے ساتھ سب سے بڑا الیہ ہے کہ وہ نفس پرستی کی دلدل میں پھنس کر روح کو اس کی غذا دینے میں ناکام رہتا ہے۔ جس کی سزا اس دنیا میں یہ ملتی ہے کہ معاشرہ نساد سے دوچار ہو جاتا ہے، فرد و افراد کا سکون غارت ہو جاتا ہے۔ آخرت میں اس کی سزا محبوب کے جلال کی صورت میں ملے گی، جو ناقابل برداشت سزا ہوگی۔ (مرتب)

### ایمان کی حقیقت کا، تزکیہ نفس کے بعد حاصل ہونا

اگر کوئی ناپنا ہے تو اس میں آنکاب کا کیا قصور؟ سیر و سلوک، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب سے مقصود باطنی اور قلبی امراض کا ازالہ ہے، تاکہ حقیقتِ ایمان حاصل ہو جائے۔ آیت کریمہ فیٰ قُلُوبُهُمْ مَرَضٌ (یعنی ان منافقین کے دلؤں میں مرض ہے) اس قلبی مرض کا پتہ دے رہی ہے۔ باطنی بیماریوں کی موجودگی میں اگر ایمان ہے بھی تو اس کی حیثیت ظاہری ایمان کی سی ہے، اس لیے کہ نفس امارہ ایمان کے خلاف اکسرا رہا ہے اور اپنے کفر کی حقیقت پر اصرار کر رہا ہے۔ اس ظاہری ایمان کی مثال ایسی ہے، جیسا کہ صفراء کی بیماری والے کو شیرینی کی ظاہری حلاوت کا یقین ہو جائے جب کہ خود اس کا ذوق و وجہ ان اس کے یقین کے خلاف ظاہری حلاوت کا ہے۔ اس کو تو شیرینی کا حقیقی یقین اس وقت حاصل ہوگا جب اسے صفراء کے مرض نجات حاصل ہوگی۔ یہی صورتِ تزکیہ نفس اور اطمینان نفس کی ہے کہ مکمل تزکیہ کے بعد ہی ایمان کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے اور وہ وجدانی بنتی ہے۔ ایسا ایمان زوال سے محفوظ رہتا ہے۔ آیتہ: ”أَلَا إِنَّ أُولَيَاءَ اللَّهِ لَا يَخُوفُ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَعْزَزُونَ“۔

آگاہ ہو کہ بیٹک اللہ کے دوستوں پر خوف وحزن نہیں ہوگا) ایسے ہی لوگوں کی شان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ایسے ہی ایمان کامل سے مشرف فرمائے۔ بحرمنہ النبی الامی ﷺ - (الیضا)

### تشریح

پونکہ تزکیہ نفس کے بغیر نفس پرستی کے بتوں کی نوعیت اور باطن میں موجود

کام ذاتی عبادت اور اور انفرادی ذکر و فکر کے کام سے کئی گناہ زیادہ اہمیت کا حامل ہو جاتا ہے اور اللہ کے دین کی نصرت کی وجہ سے اس کی نظر میں پسندیدہ ہو جاتا ہے۔ (مرتب)

### انسان کی ساری مخلوق سے افضل اور بدترین ہونے کے بیان میں

فرد جس طرح باطنی یکسوئی کا محتاج ہے، اسی طرح ظاہری یکسوئی کا بھی محتاج ہے بلکہ ظاہری یکسوئی زیادہ اہم ہے (ورنه پر انگدہ روزی پر انگدہ دل) انسان ساری مخلوق میں سب سے زیادہ محتاج واقع ہوا ہے اور اس میں یہ متجابی اس کی جامعیت کی وجہ سے آئی ہے۔ ساری مخلوق کو جتنا کچھ درکار ہے، اتنا کچھ اس ایک انسان کو درکار ہے اور وہ جس چیز کا محتاج ہے، اس سے وہ تعلق بھی رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کے تعلقات ساری مخلوق سے زیادہ ہیں اور ہر تعلق ایسا ہے جو اسے جناب قدس سے روگردان کر دیتا ہے۔ اس لئے اس اعتبار سے ساری بدترین مخلوق میں بھی یہی انسان ہے اور حال یہ کہ اس کی جامعیت ہی ساری مخلوق سے افضلیت کا باعث بنی ہوئی ہے، اس لحاظ سے اس کا آئینہ اتم و اکمل ہے، جو کچھ تمام مخلوقات کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے، فرد کے اس ایک آئینے میں وہ سب کچھ آشکارا ہے، لہذا ایک حیثیت سے انسان بہترین مخلوق ہوا، اور دوسری حیثیت سے بدترین مخلوق۔ (مکتوب ۲۵ دفتر اول بنام شیخ فرید بخاری)

### تشریح

انسان، نفس اور روح دونوں سے مرکب ہے، نفس، فرد کو مادی دنیا اور اور مادیت میں مستغرق رکھنا چاہتا ہے، تاکہ اس کے مادی حسن کے جذبات کی تسکین کا سامان ہو سکے، جب کہ روح، فرد کو محبوب حقیقی کے ذکر و عبادت اور اس کی اطاعت کی طرف لانا چاہتا ہے، تاکہ روح کو قرار مل سکے، لیکن اس کشمکش میں عام طور پر نفس غالب آ جاتا ہے، اس لئے کہ مادیت پرستی کے ماحول کے غلبہ کی وجہ سے فرد

فسادی قوتوں کی واردات کو سمجھنا غیر معمولی طور پر دشوار ہے، اس لئے ذکر و فکر کے ذریعہ نفسی قوتوں کے خلاف شدید نوعیت کی معزک آرائی کے بغیر ایمان کی حقیقت اور اس کی اصلیت ثابت نہیں ہوتی، یہی وہ بنیادی بات ہے، جسے اگر سمجھا جائے تو فرد کے لئے ایمان کے استحکام کی جدوجہد مقصود بن جاتی ہے، ایمان کے استحکام کے بغیر فرد و افراد کی بیشتر سرگرمیوں میں نفس پرستی کے اثرات موجود ہوتے ہیں۔ جس کا مشاہدہ راہ سلوک کے طالبوں کو ہمہ وقت ہوتا رہتا ہے کہ نفس اور اس کی قوتیں کس طرح اس کی نیت میں فساد برپا کرنے کے لئے کوشش رہتی ہیں اور اس سلسلہ میں نفس کی واردات کتنی خوفناک ہوتی ہیں۔ اس لئے باطنی بیماریوں کے ازالہ کے کام کو فیصلہ کن اہمیت دے کر ایمان کی حقیقت کا حصول سارے کاموں سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

اگر فرد میں حالت ایمان میں دعویٰ و تکبیر کے جذبات طاقتور صورت میں موجود ہیں۔ حسد اور حب مال کی بیماریاں بھی موجود ہیں تو اس صورت میں ایمان کی حقیقت کہاں رہتی ہے، ایمان کی حقیقت تو اس وقت مسلم ہو جائے گی، جب اللہ کی محبت، اس کی رضامندی اور اللہ کی چاہت کے سامنے ساری چاہتیں دب جائیں یا اس چاہت کے تابع ہو جائیں۔ حضرت مجدد کا بیان کردہ یہ نکتہ ایسا ہے، جس پر ہم میں سے بہت افراد کی نظر نہیں جاتی اور عام طور پر ہماری ساری زندگی باطنی بیماریوں کے ساتھ ظاہری ایمان پر اکتفا کر کے گذر جاتی ہے۔ سنبھلنے اور بیدار ہونے کی ضرورت ہے، تاکہ ایمان جیسی بنیادی نعمت کی حقیقت حاصل ہو سکے۔ (مرتب)

### نصرتِ دین میں کوتاہی سے

### کارخانہ اسلام میں خلل کا واقع ہونا

زمانہ گذشتہ میں جو مصیبت اہل اسلام پر واقع ہوئی وہ ان علماء سوء کی نحسوت ہی کا نتیجہ تھا۔ یہی علماء سوء بادشاہوں کو راهِ راست سے ہٹا دیتے ہیں۔ باہتر فرقے، جنہوں نے گمراہی کی راہ اختیار کی، ان کے سراغنہ اور سربراہ یہی علماء سوء

تھے، علماء سوء کے علاوہ جو بھی گمراہی کی راہ پر چلا، اس کے اثرات دوسروں تک کم پہنچتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ہر قسم کی استطاعت و طاقت رکھنے کے باوجود امدادِ دین میں کوتاہی کرے گا اور اس کوتاہی کے نتیجہ میں کارخانہ اسلام میں خلل واقع ہوگا تو وہ کوتاہی کرنے والا اللہ کے عتاب میں بنتلا ہوگا۔ اس بنا پر یہ عاجز بھی چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو دولتِ اسلام کے معاونین کی جماعت میں شامل رکھے اور اس بارے میں کوشش ہو، من کثر سواد قوم فہو منہم (جو جس جماعت کی تعداد میں اضافہ کرے وہ اسی میں سے ہے) اس حدیث کی رو سے ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اس بے استطاعت کو بھی (معاونین اسلام) میں داخل کر دیں۔ اپنی مثال اس بڑھیا کی سی سمجھتا ہوں، جس نے ایک سوت کی ائمیا لے کر خود کو حضرت یوسف علی عینہ اعلیٰ علیہ السلام کے خریداروں کی فہرست میں شامل کر لیا تھا۔ (بنا م شیخ فرید بخاری)

### تشريع

علم کے ساتھ اگر تقویٰ و خشیت موجود نہ ہو تو ایسا علم جلد ہی خواہشاتِ نفس کی تکمیل کا ذریعہ بننے لگتا ہے۔ اکبر بادشاہ نے اپنے آخری دور حکومت میں نئے دین کی جو راہ اختیار کی، وہ علمائے سوء کی غلط رہنمائی کے رد عمل کا نتیجہ تھی۔ بلکہ نئے دین کی تکمیل میں انہیں بعض علماء سوء کی فکری رہنمائی بھی شامل تھی۔

جب حکومت کا نظام دین سے بغاوت پر متشکل ہو تو ایسے دور میں احیائے اسلام کی جدوجہد دین کے سارے کاموں سے زیادہ اہمیت کی حامل بن جاتی ہے، اس طرح کے حالات میں علمائے ربانی کا اضطراب بڑھ جاتا ہے اور وہ تحفظ اسلام اور بقاء اسلام کے لئے سرپا جہد بن جاتے ہیں۔

اس مکتوب میں فرمایا گیا ہے کہ دین کی نصرت کی استعداد رکھنے کے باوجود اس میں کوتاہی کرنے سے دین کا جو نقصان ہوگا، وہ اللہ کے عتاب کا موجب ثابت ہوگا۔ موجودہ دور میں جب کہ دین کی مظلومیت آخری حدود چھونے لگی ہے اور لا دینیت سارے محاذوں پر غالب ہوتی جا رہی ہے۔ ایسی حالت میں دین کے

علمبرداروں کی طرف سے مختلف مجازوں پر دین کے لئے منصوبہ بندی سے کام نہ کرنا، اللہ کے عتاب کو دعوت دینے کے برابر ہے حضرت مجدد کے بیان کردہ اس نکتہ پر متنبہ ہونے کی ضرورت ہے۔ (مرتب)

### اسلام کی مظلومیت کے دور میں

#### شریعت کی ترویج کے لئے کام کرنا، سارے کاموں سے افضل ہونا

قیامت میں شریعت کے متعلق سوال کیا جائے گا، نہ کہ تصوف کے بارے میں۔ جنت کا داغلہ اور آتشِ دوزخ سے نجات، شریعت کی پابندی سے ہی وابستہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام جو کہ بہترین کائنات ہیں، انہوں نے شرائع کی دعوت دی ہے اور نجات کا مدار بھی شریعت ہے اور انبیاء کی بعثت کا مقصد بھی شریعون کی تبلیغ ہی ہے۔ پس سب سے بڑی نیکی شریعت کو رانج کرنے کی سعی کرنا اور اس کے احکام میں سے کسی، حکم کا زندہ کرنا ہے، بالخصوص ایسے زمانے میں جب کہ اسلامی شعائر مٹ رہے ہوں، راہِ خدا میں کروڑوں روپیہ خرچ کرنے سے بھی افضل ہے، اس لیے کہ شرعی مسئلہ کو رانج کرنے میں انبیاء کی پیروی اور ان کے تبلیغ کام میں شرکت ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ مخلوقات میں بزرگ ترین ہیں اور کامل ترین نیکیاں انہیں کے لیے ثابت و مسلم ہیں۔ کروڑوں روپیہ خرچ کرنا تو انبیاء کے علاوہ دوسروں کو بھی میر ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں شریعت کی ادائیگی میں نفس کی پوری پوری مخالفت ہوتی ہے، اس لیے کہ شریعت نفس کے خلاف واقع ہوئی ہے، لیکن مال خرچ کرنے میں کبھی نفس، موافقت بھی کر لیتا ہے۔ ہاں شریعت کی تائید اور ترویج ملت کے لیے مال خرچ کرنا بہت بلند مرتبہ رکھتا ہے، ایک بیسہ کو دین کی اشاعت و فروغ کی نیت سے خرچ کرنا بغیر نیت کے لاکھوں روپیہ خرچ کرنے کے برابر ہے۔ وہ شخص جس سے بہت سوں کی نجات وابستہ ہو، ظاہر ہے کہ اس شخص سے بہتر ہوگا، جو اپنی ہی نجات کی فکر رکھتا ہو۔ البتہ وہ صوفی جو ”فنا و بتا“ کے بعد اور سیر عن اللہ اور سیر باللہ کے مقام طے کرنے کے بعد عالم میں گشت لگائے اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر دعوت دین کا کام کرے اور مقام نبوت سے حصہ رکھتا ہو، وہ شریعت کے مبلغوں میں شامل ہے،

وہ حکم علمائے شریعت رکھتا ہے۔ (مکتوب ۲۸ دفتر اول بام شیخ فرید بخاری)

### تشريح

جب اسلامی شریعت کا تقدس پامال ہوتا ہو، اسے مٹانے کی کوششیں جاری ہوں، اسلامی عقائد و اقدار کے خلاف سازشیں ہو رہی ہوں تو ایسی صورت میں شریعت کے تحفظ کے لئے میدان میں آنا، سب سے بڑا جہاد ہے، حیثیت دین کی سعادت سے بڑھ کر کوئی سعادت حاصل نہیں، اسلامی دعوت کا کام، جس سے اسلامی شریعت کے تحفظ و بقا کا دارو مدار وابستہ ہے، وہ انبیاء کرام کا مقصدی کام ہے، ان کی بعثت کا مقصد ہی یہی رہا ہے، رسالت کے خاتمه کے بعد یہ کام امت کی طرف منتقل ہوا ہے۔ بندوں تک دین کی دعوت پہنچانا، دعوتی سرگرمیوں کو ہدف بنانا، یہ انبیاء کی پیروی اور اور ان کے تبلیغ کام میں شرکت کے متراوٹ ہے۔ چونکہ دین کی حفاظت اور اس کا تسلسل اسی دعوتی کام سے وابستہ ہے، اس لئے یہ کام بعض اوقات دوسرے کاموں سے زیادہ افضل ہو جاتا ہے۔

اس مکتوب میں دعوتی کام کی حیثیت اجاگر کر کے، ہماری سرگرمیوں کے رخ کو اس طرف موڑنے کی کاوش فرمائی گئی ہے، اللہ کی سنت رہی ہے کہ تحفظ اسلام کے کام کی بیشتر سعادت انہی افراد کو حاصل ہوتی ہے، جو ایمان و یقین کی دولت سے بہرہ در ہوتے ہیں اور ان کی دینی جدوجہد میں نفسی آمیزش شامل نہیں ہوتی۔ علمائے ربانی جو طویل عرصہ تک نفس کے خلاف معرکہ آرائی کر کے اسے مہذب بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں، ان کا اصل ہدف اسلامی شریعت کے بقا کے لئے جدوجہد اور طالبوں کی تربیت کر کے، انہیں اس کام میں لگانا ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مجدد کے یہ دو تین مکتوبات موجودہ دور کے علمائے ربانی کے لئے لمحہ فکریہ ہیں۔ (مرتب)

### دنیا کا زہر قاتل اور متعار بے سود ہونا

دنیا بظاہر شیریں ہے اور صورۃ تازگی رکھتی ہے، لیکن حقیقت میں وہ ایک زہر قاتل ہے اور متعار باطل ہے اور بے سود گرفتاری ہے، اس کا حاصل کرنے والا خوار

ہے، اور اس کا فریفہتہ مجنوں، دنیا کی حیثیت سونے کے ورق سے لپٹی ہوئی نجاست کی سی ہے اور ایسے زہر کی سی ہے، جس میں شکر ملا ہوا ہو۔ عقائد شخص وہ ہے، جو اس کھوٹی پونچی پر نہ ریکھے اور خراب مال میں گرفتار نہ ہو، فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ میرا مال عقائد کو دینا تو وہ مال ایسے شخص کو دیا جائے گا، جو دنیا کی طرف راغب نہ ہو، اور یہ بے رغبت اس کی انتہائی عقائد کی دلیل ہے۔  
(مکتب ۵۰ دفتر اول بنام شیخ فرید بخاری)

### تشریح

دنیا ہر دور میں ابتلا و آزمائش رہی ہے، لیکن اس دور میں مادی حسن و مادی سامان کی بہتان نے دنیا کی خوبصورتی میں غیر معمولی طور پر اضافہ کیا ہے۔ زیب و زیبنت سے سرشار دنیا سے بچنے کی ساری صورتیں مسدود ہیں، سوائے متقدی و علمائے ربائی کی صحبت کے، بدقتی سے موجودہ دور میں ہر فرد کی سرگرمیوں کا مرکز دنیا بن کر رہ گئی ہے۔ دولت کے جنوں نے وہ صورت پیدا کر دی ہے کہ فرد و افراد کے لئے اس کے علاوہ دوسری بات سننے کے لئے دل میں گنجائش ہی موجود نہیں۔ دولت و دنیا سے جنوں کی یہ حالت (جو اس وقت پیدا ہو گئی ہے) ساری انسانی تاریخ میں مادیت پرستی کی یہ فضا شاید ہی کبھی پیدا ہوئی ہو۔ مرتب)

### نفس کی طرف سے

#### دعوائے الوہیت کی کاؤشوں کا ہونا

مخدوما! انسان کا نفس امارہ حب جاہ و ریاست پر مخلوق ہوا ہے اور اس کی ساری توجہ یہ ہے کہ دوسروں پر برتری حاصل ہو جائے، وہ چاہتا ہے کہ ساری مخلوق اسی کی محتاج و مطیع ہو اور وہ خود کسی کا محتاج و مکوم نہ ہو (درحقیقت) یہ نفس کی طرف سے ایک قسم کا دعویٰ الوہیت ہے اور خداۓ بے ہمتا جل شانہ کے ساتھ شرکت چاہنا ہے۔ بلکہ یہ نفس بے سعادت اس شرکت پر بھی راضی نہیں ہے، بلکہ وہ تو یہ

چاہتا ہے کہ صرف وہی حاکم ہو، باقی اس کے مکوم ہوں۔ لہذا نفس کی چاہتوں، جاہ و ریاست وغیرہ حاصل کرائے، اس کی پروردش کرنا گویا، دشمن خدا کی مدد کرنا اور اسے تقویت دینا ہے۔ اس امر کی قباحت اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے۔

حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے۔ **الکبریاء ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی فی شيء منهما ادخلة في النار ولا ابالی.** (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ برتری میری چادر ہے اور عظمت و بزرگی میری ازار ہے، پس جو کوئی مجھ سے ان دو چیزوں کے بارے میں منازعت کرے گا میں اس کو آتشِ دوزخ میں داخل کر دوں گا اور کچھ پرواہ نہ کروں گا)۔ اللہ کے نزدیک دنیا اسی بنا پر ملعون و مبغوض ہے کہ اس کا حاصل ہونا، نفس کی مُرادوں کے حصول میں معاون ہے۔ پس جو دشمن کو مدد دے گا وہ یقیناً لعنت کا مستحق ہو گا۔ (مکتب ۵۲ دفتر اول بنام شیخ فرید بخاری)

### تشریح

انسانی نفس کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ اللہ کی شان کبریائی و شان عظمت کے مقابلہ میں اپنی بڑائی اور اپنی برتری چاہتا ہے۔ اور اللہ کے دوسرے بندوں پر اپنی بڑائی مسلط کرنا چاہتا ہے، معاشرہ میں سارا فساد، فرد کی نفیسات کے اس بگاڑ کی وجہ سے ہی ہے، اگر فرد، صاحب اقتدار ہے تو اس کی کوشش یہ ہے کہ باقی سب اس کے تابع ہوں، اگر فرد تاجر ہے تو اس کی چاہت یہ ہے کہ تجارت میں بس اس کی ایک ہٹی قائم ہو، اگر فرد، علم کی مند پر قائم ہے تو وہ اپنے علم کے مقابلہ میں دوسروں کی علمی حیثیت کو قبول و تسلیم کرنے کے لئے تیار ہی نہیں، بڑائی اور شیخوخیت کا یہ تقاضا اتنا طاقتور ہے کہ راہ سلوک میں سالک سے سب سے آخر میں جو چیز نکلتی ہے، وہ یہی دعویٰ و انانیت ہے، اس لئے شخصیت کے انانیت کے بت کو منہدم کرنے کے لئے مجاهدے ازحد ناگزیر ہیں، مجاهدوں کے بغیر چارہ کار ہی نہیں۔ موجودہ دور میں دینی جدوجہد اور تکوکاری کے روپ میں نفس کی قوتیں جس طرح کار فرما ہو گئی ہیں، اس کا اندازہ ان مذہبی گروہوں کی سرگرمیوں سے لگایا جاسکتا

ہے، جو اپنے علاوہ دوسروں کی تکفیر کی راہ پر گامزن ہیں۔ اس کا بنیادی سبب تکبیر و دعویٰ کی نفیات ہی ہے۔ وہ دین اور اس کی حقیقت اور اس کے تقاضوں کو علمائے اہل حق سے سمجھنے کی بجائے نفس کے یقیناً شدہ عقل سے سمجھنا چاہتے ہیں، نفس، انہیں جو راہ بھاتا ہے، وہ یہ ہے کہ علماء نہ صرف دین کے حقیقی فہم سے قاصر ہیں، بلکہ وہ زمانہ ساز ہو گئے ہیں، اس لئے سلف خلف اور موجودہ علماء سے بغاوت کی راہ یعنی جدید خارجیت کی راہ اختیار کی گئی ہے، جو اس وقت امت کا بڑا الیہ ہے، اس کی وجہ سے نئے نئے گروہ پیدا ہو کر، جہاد کے نام پر اپنے مخالف گروہوں اور ریاست سے بغاوت اور قتل و غارت گری شروع کر دیتے ہیں۔ (مرتب)

### اللہ کی طلب اور اسے برقرار رکھنے کی صورتیں

اگر اللہ تعالیٰ عطا کرنا نہ چاہتا تو طلب کو ہی پیدا نہ کرتا۔ طلب کی نعمت کو نعمت عظیمی تصور کر کے، اس کے مخالف سے پہنچا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ طلب میں سنتی واقع ہو جائے اور اس حرارت میں کمی واقع ہو جائے، طلب کو قائم رکھنے کے اسباب میں سے سب سے بڑا سبب ایک تو اللہ کا شکر بجالانا ہے کہ اس نے طلب عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **لَيْسَ شَكْرُنَا لَأَزِيدُنَّكُمْ** (اگر تم شکر دے گے تو میں ضرور بالضرور زیادہ عطا کروں گا) (طلب کو برقرار رکھنے کا) دوسرا سبب، بارگاہ الہی میں مستقلًا عاجزی اور اتنا اختیار کرتے رہنا ہے، تاکہ وہ طالب کے رخ کو اپنے ”کعبہ“ جمال لایزال“ سے نہ پھیرے۔ اگر اتنا اور عاجزی کی حقیقت حاصل نہ ہو تو کم از کم اس کی صورت تو اختیار کرنی چاہے۔ حدیث: وَإِنْ لَمْ تَبْكُوْ فَتَبَكُوا (اگر تم کو رونا نہ آئے تو رونے کی صورت ہی اختیار کرو) اس حقیقت کو ظاہر کر رہی ہے، درد و وشوق کی یہ حفاظت اس وقت تک ہے، جب تک کہ شیخ کامل و مکمل میسر نہ آئے اور جب ایسا شیخ مل جائے تو اپنی دل کی ساری چاہتیں اس بزرگ کو سونپ دے، اور جس طرح میت غسل دینے والے ہاتھ میں ہوتی ہے، اس طرح خود کو اس کے سپرد

کر دے۔ شروع میں طالب کو اپنی کمال پستی کی وجہ سے اللہ جل سلطانہ سے مناسبت نہیں ہوتی، اس کے لئے ایسی شخصیت کی ضرورت ہے جس کو آخوند و دنیا دونوں سے مناسبت ہو، وہ شیخ کامل ہے۔ (مکتب ۶۱ دفتر اول بنام سید محمود)

### تشریح

راہ محبت کا سفر اپنے دل کو مکمل طور پر اہل اللہ کے حوالے کرنے اور ان سے محبت کے نتیجہ میں ہی شروع ہوتا ہے۔ اہل اللہ، چونکہ اپنے نفس کا، اللہ سے سودا کر چکے ہوتے ہیں، اس لئے ان میں روحانی فیض رسانی کی پوری استعداد موجود ہوتی ہے۔ اہل اللہ کے اس فیض سے بہرہ ور ہونے کے لئے ضروری ہے کہ طالب اپنے دل خالی کر کے ان کے حوالے کرے، اس سے آہستہ آہستہ دل سیراب ہونے لگتا ہے۔ موجودہ دور میں فتنوں کے غلبہ کی وجہ سے حقیقی اہل اللہ نایاب ہو گئے ہیں۔ جو موجود ہیں، انہیں پہنچانا دشوار ہے، اس لئے کہ ان کے ہاں روایتی پیری مریدی کے لوازمات سرے سے موجود ہی نہیں۔ دنیا سے دوری، بے نفسی اور دوسروں کی خدمت، خود نمائی سے آخری حد تک بچاؤ جیسی صفات نے انہیں لوگوں سے چھپا دیا ہے۔ (مرتب)

### ناقص شیخ کی صحبت ہلاکت کا باعث ہونا

طلب میں خرابی و سُستی آجائے کا ایک بڑا سبب، ایسے ناقص شیخ کی طرف رجوع کرنا ہے، جس نے راہ سلوک باقاعدہ طے نہیں کی ہو اور یوں ہی مند نشین ہو گیا ہو طالب کے لئے اس کی صحبت اختیار کرنا زہر قاتل ہے اور اس کی طرف رجوع ہونا مہلک مرض ہے۔ ایسی غلط صحبت طالب کی بلند استعداد کو پست کر دیتی ہے اور اسے بلندی سے گڑھے میں دھکیل دیتی ہے، مثال کے طور پر یوں سمجھو کہ اگر کوئی مریض کسی اناڑی طبیب سے ڈوالے کر استعمال کرے، تو اس کا ایسا کرنا، درحقیقت اپنے مرض میں اضافہ کرنے، اور اس کے ساتھ ہی) ازالۃ مرض کی

صلاحیت کو ضائع کرنے کے برابر ہوگا، اگرچہ شروع میں اس دوا سے مرض میں کچھ کمی واقع کیوں نہ ہو، لیکن وہ مریض کی صحبت کے لئے سخت فقصان دہ ہے، اگر وہ طبیب حاذق کے پاس پہونچے گا تو وہ اولاً اس پہلی دوا کی تاثیر کو دور کرنے کے لیے مسہلات سے علاج کرے گا، جب اس کا پہلا اثر زائل ہوگا، تب مرض کے ازالہ کی فکر کرے گا۔ بزرگان نقشبندیہ کا طریقت کا مدار صحبت شیخ پر ہے۔ محض گفتگو سے کام نہیں، بلکہ گفتگو سے تو طلب میں ستی (دکی) رونما ہو جاتی ہے۔ (مکتوب ۶۱ دفتر اول بنام سید محمود)

### تشریح

ناقص شیخ سے مراد نفس کی فناہیت کے مرحل سے گذر کر حالت بقا میں آئے بغیر مشجیت کے مقام پر فائز ہونے والا شیخ ہے۔ اس طرح کے ناقص شیخ سے وقت طور پر کچھ بہتر بالطفی کیفیات پیدا ہو سکتی ہیں اور سلوک کی کچھ را ہیں بھی طے ہو سکتی ہیں، لیکن اس سے ایک تو نفس پرستی کا جنگل طے نہیں ہو سکتا، دوسرے یہ کہ ناقص شیخ نفسی قوتوں سے نا آشائی کی وجہ سے طالبوں کے مزاج میں غلط نقوش مشتمل کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے، اس طرح ناقص شیخ، طالبوں کے لئے زندگی بھر صحیح خطوط پر لانے کی راہ میں حجاب بن جاتا ہے۔ یہ سوال بھی اہم ہے کہ ناقص شیخ سے کسی حد تک کیفیات کی بہتری کی صورت کیسے اور کیوں پیدا ہوتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ راہ سلوک میں چند سال تک چلتے رہنے کے نتیجہ میں طالب میں کچھ نہ کچھ روحانی استعداد تو پیدا ہوہی جاتی ہے، جس طرح درس نظامی پڑھنے والا متوسط سطح کا طالب ابتدائی سطح کے طلبہ کو کتابیں پڑھانے کی صلاحیت کا حامل ہو جاتا ہے، اسی طرح ناقص شیخ، ابتدائی مجاہدوں کے نتیجہ میں مبتدی طلبہ میں کیفیات منتقل کرنے اور ان کی کچھ نہ کچھ تربیت کرنے کے قابل ہوتا ہے، لیکن نفسی قوتوں کے زیر اثر سلوک طے کئے بغیر بزرگی کے مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے وہ ناقص و نامکمل ہے، اس کی صحبت حقیقی طالبوں کے لئے سم قاتل ہے۔ مرتباً)

### جسمانی اور روحانی رنج ولذتوں کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا

دنیاوی ولذت و رنج کی دو قسمیں ہیں: (۱) جسمانی اور (۲) روحانی۔ جس چیز سے جسم کو ولذت حاصل ہوتی ہے، روح کو اس سے تکلیف ہوتی ہے اور جس چیز سے جسم کو درد ہوتا ہے، روح کو اس سے ولذت ملتی ہے۔ پس روح جسم ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں، لیکن مادی دنیا میں روح نے جسم کی قائم مقامی کر لی ہے اور وہ جسم و جسمانیات میں گرفتار ہو گئی ہے۔ نیز حکم جسم پیدا کر کے، وہ جسم کی ولذت سے ولذت یاب اور جسم کی تکلیف محسوس کرتی ہے۔ یہ عوام کا لانعام (چوپائے جیسے عوام) کی حالت ہے آیۃ: فَمَرَدَنَاهُ أَسْفَلَ سَالِيْنَ۔ (یعنی جب انسان کافر ہوا تو ہم نے اس کو پست تر اشیاء سے بھی زیادہ پست تر کر دیا)۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں صادق ہے۔ افسوس صد افسوس، اگر روح مادی جسم اور اس کی ولذتوں کی گرفتاری سے خلاصی نہ پائے اور اسے اصلی وطن کی طرف رجوع نہ کرے تو یہ روح کی بیماری ہے کہ وہ اپنے (حقیقی) رنج کو ولذت سمجھتی ہے اور (حقیقی) ولذت کو رنج تصور کرتی ہے۔ بالکل غلبہ صفا کے مریض کی طرح ہے کہ اسے میٹھی چیز کڑوی محسوس ہوتی ہے پس عقائدی کا تقاضا ہے کہ اس مرض کو دور کیا جائے تاکہ فرد جسمانی تکالیف و مصالب کی موجودگی میں خوشی کی زندگی بسرا کر سکے۔ (مکتوب ۶۲ دفتر اول بنام شیخ فرید بخاری)

### تشریح

نفس کی یرغمالی کی وجہ سے روح مجبور محض ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اس میں استبرکم کی صدا موجود ہوتی ہے، لیکن نفس کی طرف سے مادی حسن پر فداہیت اور نفس پرستی کے بتوں کی پرستش کی وجہ سے ایک تو روح کی استبرکم کی صدا نجیف ہو جاتی ہے، دوسرے یہ کہ نفس کی ان شرارتوں کی وجہ سے روح، حالت اذیت میں رہتی ہے، یہی اذیت روح، دل و دماغ کی طرف منتقل کرتی ہے، جس سے ساری نفسی و نفسیاتی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مرتباً)

## نیت میں اخلاص کی کمی کا، دل شکستگی کی حالت سے پُر ہو جانا

اچھی طرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دنیا میں درد و رنج اور مصیبت کا وجود نہ ہوتا تو پھر تو دنیا کی قیمت ایک بوجو کے برابر بھی نہ تھی۔ اس دنیا کی نظمتوں اور تاریکیوں کو یہاں کی مصیبتوں اور حادثے زائل کرتے ہیں۔ حادثوں کی تھیں، کڑوی مگر فائدہ مند دوا کی طرح ہے، جو مرض کو دور کر دیتی ہے۔ اس فقیر کو بعض عام دعوتوں میں محسوس ہوا ہے کہ کھانا پکایا گیا اور دعوت کرنے والوں کی نیت خالص نہیں تھی۔ کچھ لوگ کھانا کھانے والوں میں سے شکوہ و شکایت کا دفتر کھول کر کھانے میں عیب نکالنے اور کھلانے والوں کی مذمت کرنے لگتے ہیں، صاحب طعام جب یہ سنتا ہے تو اس کے دل میں شکستگی پیدا ہوتی ہے اور اس کی دل کی بیہی رنجیدگی اس ظلمت کا ازالہ کر دیتی ہے، جو خلوص نیت نہ ہونے کی وجہ سے کھانے میں پیدا ہو گئی تھی اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دعوت قبول ہو جاتی ہے۔ اگر شکایت کرنے والے شکایت نہ کرتے اور صاحب دعوت کا دل نہ ٹوٹتا تو کھانا (عدم خلوص کی بناء پر) سراسر ظلمت و کدورت سے بھرا ہوا تھا، ظلمت کی صورت میں قبولیت کی کیا گنجائش ہوتی، پس کام کا انحصار دل کی شکستگی اور طبیعت کی رنجیدگی پر ہے اور ہم جو یان عیش و تعمم والوں کے لیے یہ شکستگی، مشکل کام ہے۔ (ایضا)

## تشريع

اعمال میں اخلاص کی کمی کی وجہ سے جو تعمید ہوتی ہے، وہ تنقید بھی اخلاص کی کمی کے ازالہ کا ذریعہ بنتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ اعمال میں ریا و خونمنائی وغیرہ کی وجہ سے قلب میں محبوب کی طرف سے جبابات پیدا ہو جاتے ہیں، جس سے طالب، وقت طور پر اپنی ساری قلبی کیفیات کو سلب ہوتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ یہ جبابات بھی اخلاص میں کمی کی ایک نوعیت کی سزا ہوتی ہے، فرد جب آہ وزاری کرتا ہے تو جبابات اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح بندہ مؤمن کو زندگی بھر پیش آنے والی تکالیف و مصائب اور نقصانات بھی ان کے گناہوں کے کفارہ کا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔ اگر یہ کہتہ پیش نظر رہے تو یاس کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ (مرتب)

## پیدائش کا مقصد

### ذکر و فکر کے مجاہدوں سے عبدیت کی راہ اختیار کرنا

**وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْمَلُوْنَ۔** (ہم نے جن و انس کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے) نص قطعی ہے (اب دیکھنا یہ ہے کہ عبادت کے کیا معنی ہیں؟) عبادت سے مراد (اللہ کے آگے) ذلیل اور شکستہ ہونا ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کا مقصد اس کی خواری و ذلت ہے (خالق اکبر کے سامنے) مسلمانوں اور دینداروں کا اس دنیا میں جو، ان کا جیل خانہ ہے، عیش و عشرت کے پیچھے پڑنا عقل سے بعید تر بات ہے۔ فرد کو مجاہدوں کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے، اور بار برداری کی ورزش کیے بغیر گذر نہیں۔

حضرت حق تعالیٰ ہم بے طاقتوں کو اس امر پر استقامت نصیب فرمائے۔  
(بناًم شیخ فرید بخاری مکتوب ۲۳ دفتر اول)

## تشريع

موجودہ دور میں جدیدیت کی ہمہ گیر فکری لہروں سے متاثر ہو کر، عبادت اور دین کا مقصود ہی بدلتا رہ گیا ہے، عبادت کے ذریعہ عبدیت کے رنگ کو مستحکم کرنے کی بجائے حکومت الائیہ قائم کرنے کی جدوجہد کو اصل عبادت اور دین کا اصل قرار دیا گیا ہے۔ بعض شخصیتوں نے سرمایہ دار بست کے خاتمه معاشی مساوات کے نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد کو اصل عبادت اور دین کے اصل نصب اعین کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اس طرح اسلام کی جدیدیت سے ہمہ آہنگ ایڈیشن تیار ہو گئی ہے۔ اس طرح کے تصور اسلام سے دین کی سیاسی خدمت کا کام تو ہو سکتا ہے، لیکن اللہ کی عبدیت کی رنگ میں رنگے ہوئے پاکیزہ کردار کے حامل افراد پیدا نہیں ہو سکتے۔ عبدیت کا یہ مقصود، اللہ کی عبادت و اطاعت میں محیت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسلامیت کی جدیدیت پر مشتمل تشریع کا ایک نقصان یہ ہوا ہے کہ علمائے حق کے دینی فہم پر اعتقاد محروم ہوا ہے اور ان سے بغاوت کی فضا پیدا ہوئی ہے اور غلبہ اسلام کی

راہ میں حاکل قوتوں کے خلاف جہاد کے نام پر اسلحہ اٹھا کر ان سے مقابلہ کی راہ ہموار ہوئی ہے۔

یہ بڑا نقصان ہے، جو اسلام کی جدیدیت کی آمیزش والی فکر کی وجہ سے ہوا ہے۔ مرتب)

### نجات کا

صورتِ اسلام سے نہیں، بلکہ یقین سے ہونا

یاد رکھو، اسلام کی محض صورت اختیار کرنے سے نجات نہیں ملے گی، بلکہ یقین پیدا کرنا چاہئے۔ (اس سے نجات وابستہ ہے) یقین کی حالت کہاں ہے؟ بلکہ عام طور پر جو حالت ہے، اس میں یقین تو کیا وہم بھی نہیں ہے، ورنہ عقلی طور پر تو خطروں کے وقت وہم کا بھی اعتبار کر لیتے ہیں۔ اس قسم کی ایک اور بات سنو، حق تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: وَاللَّهُ بِصَيْرَةٍ يَعْلَمُونَ۔ (اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے) اس ارشاد کے باوجود یہے اعمال کی روشن اختیار کی جا رہی ہے، اگر کسی حقیر سے حقیر فرد کے بارے میں بھی یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ فرد کے ہرے اعمال کو دیکھ رہا ہے تو اس کے سامنے ہرے کام نہیں کئے جاتے۔ اس بات سے تو یہ سمجھا جائے گا کہ (ناعاقبت اندیش لوگ) خبر حق کا یقین و اعتبار نہیں کرتے۔ اب بتاؤ کہ اس قسم کا کردار ایمان ہے یا کفر؟ (مکتب ۳۷ دفتر اول بنام قیچ اللہ)

### تشریح

اگرچہ اس دور میں اسلام کی ظاہری تعلیمات پر عمل پیرا ہونا، بجائے خود بہت بڑی سعادت کی بات ہے، تاہم شریعت کی ظاہری تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں استقامت، یقین سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ یقین کی یہ دولت نفس پرستی کی قوتوں کے خلاف طویل معرکہ آرائی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ وہ نکتہ ہے، جسے سارے علمائے ربانی پیش کرتے رہتے ہیں، یقین کی حالت مستحکم کرنے کے لئے باطن میں

موجود نفس پرستی کی قوتیں جو خود اللہ کی صورت اختیار کر جاتی ہیں، ان کی بنیاد کو اکھاڑنا ضروری ہے۔ اس بنیاد کو منہدم کئے بغیر یقین کی حالت مستحکم ہو، دشوارتر ہے، اس کے لئے ذکر و فکر، خود احتسابی اور علمائے ربانی کی صحبت کی ضرورت ہے۔ (مرتب)

### تقویٰ کی حقیقت اور اس پر گامزن ہونے کی صورت

بھی بندگی کی ادائیگی کی نیت سے ہو ورنہ (بغیر نیت کے) وہ بھی و بال ہے اور تھوڑا سما مباح بھی حکم کثیر رکھتا ہے۔ اور چونکہ فضول چیزوں سے پورے طور پر پر بچنا خاص طور پر اس زمانہ میں بہت کم ہے، اس لئے محمرات سے اجتناب کر کے حتی الامکان فضول مباحثات میں داخل ہونے سے بچا جائے اور فضول مباحثات کے (کبھی کبھار) ارتکاب کے بعد ہمیشہ توبہ واستغفار اور التباہ ہونا چاہئے، ممکن ہے اس سے بھی وہی نتیجہ پیدا ہو جائے، جو فضول مباحثات سے کلیتہ پر ہیز سے ہوتا ہے، ایک درویش کا قول ہے کہ مجھے گناہ گاروں کا انکسار، عبادت گزاروں کی جدوجہد سے زیادہ عزیز ہے۔ محمرات سے بچنا و قسم کا ہے: ایک قسم حقوق اللہ سے تعلق رکھتی ہے، دوسری قسم بندوں کے حقوق سے۔ دوسری قسم محمرات کی رعایت بہت ضروری ہے، اللہ تعالیٰ تو غنی مطلق اور ارحم الراحمین ہے اور بندے فقراء محتاج ہیں اور بالذات بخیل ولیم۔ (اس لئے ان کے حقوق کی ادائیگی ضرور ہونا چاہئے)۔ (ایضا)

### تشريع

تقویٰ کی حقیقت وہ خشکہ و القا ہے، جو فرد کے دل اور ذہن پر ہمہ وقت موجود رہتا ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، مجھے اپنے ہر عمل کی اللہ کے سامنے جواب دہی کرنی پڑے گی۔ جب یہ خشکہ غالب ہو جاتا ہے تو اس کے نتیجہ میں ہر منکر سے بچنے اور ہر نیکی پر عمل کرنے کے بارے میں فرد کی حساسیت میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہی تقویٰ دین کی روح ہے، اس تقویٰ کے نتیجہ میں جو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں، وہ بے شمار ہیں۔ قرآن میں دسیوں مقامات پر تقویٰ کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی نعمتوں کا ذکر ہے وَمَن يَتَّقِي اللَّهُ يَعْمَل لَهُ مِنْ أَمْرٍ هُوَ يُشَرَأً۔ جو تقویٰ اختیار کرتا ہے ہم اس کے کاموں میں آسانی پیدا کر دیتے ہیں۔ لیکن تقویٰ کے اس مقام تک رسائی ذکر و فکر کے مجاہدوں میں ساری توانائیاں صرف کرنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ (مرتب)

### بندوں کے حقوق کی عدم ادائیگی اور آخرت کا افلas

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: جس کسی پر اپنے بھائی کا کسی قسم کا کوئی حق ہو، اس کو چاہئے کہ دنیا ہی میں معاف کرالے، اس دن کے آنے سے پہلے کہ اس کے پاس کوئی دینار ہو گا نہ، درہم، اگر اس کے پاس کوئی نیک عمل ہوگا تو اس حق کے مطابق اس سے وہ عمل لیا جائے گا، اور اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو حقدار کے گناہ لے کر، اس پر لاد دیے جائیں گے۔ آپؐ نے ایک بار صحابہؓ سے فرمایا کہ: جانتے ہو مغلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا: ہم میں مغلس وہ ہے، جس کے پاس نہ درہم ہوں، نہ مال و متاع!۔ فرمایا: نہیں! میری امت کا مغلس وہ ہے، جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ (سب نیک اعمال) لے کر آیا، لیکن اس حال میں کہ کسی کو گالی دی تھی، کسی پر تہمت دھری تھی، کسی کا مال غصب کر لیا تھا، کسی کا خون بھاڈیا تھا، کسی کو زد و کوب کیا تھا۔ پس اس کی ساری نیکیاں ان کو دی جائیں گی اور جب نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان لوگوں کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے، پھر اس کو جہنم میں جھوکن دیا جائے گا۔ (ایضا)

### تشريع

افلas کی یہ سب سے بُری شکل ہے۔ یہ بیٹھے بھائے اپنے اعمال صاحب کا اجر دوسروں کے حوالے کرنا ہے اور ان کے گناہوں کو اپنے ذمہ لینا ہے، مگر، غیبت دوسروں کی تختیر و تہمت، یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جو ظالم نفس کے لئے لذت کا باعث ہیں۔ اس لئے ان چیزوں سے اس کا سیر ہی نہیں ہوتا۔ اللہ کی محبت کی دنیا میں چلنے سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ فرد کے پاس دوسروں کے قصوں میں پڑنے کے لئے وقت نہیں ہوتا، پھر اللہ کی محبت فرد کو دوسروں کے بارے میں شدید حساس بھی بنایتی ہے کہ ہماری ذات سے انہیں اذیت نہیں پہنچنی چاہئے، بدقتی سے آج کے دور میں اہل تصوف میں بھی ذکر و فکر کے مجاہدوں کی غیر معمولی کمی کی وجہ

سے گلہ غنیمت کا سماں ہو گیا ہے، سبب یہ ہے کہ ذکر کے نور سے نفس پامال نہیں ہوا۔ مرتب)

### صوفیائے کرام کی حالت سکر کی باتوں کا میری رگ فاروقیت کے جوش کا سبب بن جانا

آپ نے لکھا تھا کہ شیخ عبدالکریم یمنی نے کہا ہے کہ: ”حق تعالیٰ عالم الغیب  
نہیں ہے۔“

مخدوما! فقیر کو اس قسم کی باتیں سُننے کی بالکل طاقت نہیں (ایسی باتوں سے) میری رگ فاروقیت بے اختیار جوش میں آ جاتی ہے اور تاویل و توجیہ کا موقع نہیں دیتی۔ اس طرح کی باتیں شیخ کبیر یمنیؒ کی ہوں یا شیخ اکبر شامیؒ کی۔ ہمیں تو کلامِ محمد عربی ﷺ درکار ہے، نہ کہ محی الدین عربیؒ، صدر الدین قونویؒ، اور عبد الرزاق کاششؒ کا کلام۔ ہم کو نص (قرآن و حدیث) چاہئے، نہ کہ فض (فضوص الحکم کا کوئی باب)۔ فتوحات مدینہ (احادیث نبویؒ) نے ہم کو ”فتواتِ مکیہ“ (تصنیف شیخ اکبرؒ) سے بے نیاز کر دیا ہے۔ حق تعالیٰ نے خود اپنے کو علم غیب کے ساتھ موصوف کیا ہے اور خود کو عالم الغیب فرمایا ہے، لہذا اس سے علم غیب کی نفعی کرنا، بہت ہی فتح بات ہے یہ حقیقت میں حق تعالیٰ کی (ایک طرح) تبلیغ ہے، غیب کے کچھ اور معنی بیان کرنے سے بھی اس قول کی قباحت دور نہیں ہو سکتی۔

منصور نے اگر ان الحق کہا، یا حضرت بازیزید بسطامیؒ نے سمجھا کہا، تو وہ اپنے قول میں غلبہ حال کی بنا پر معدوز و مغلوب ہیں، لیکن وہ بات جو تم نے دریافت کی ہے وہ ”احوال“ سے نہیں ہے، اس کا تعلق علم سے ہے، اس قول میں کوئی عذر معتبر نہیں، اور یہاں کوئی تاویل قبول نہیں۔ حالت سکر والوں کے کلام کی تاویل کی جاتی ہے اور اس کو ظاہر سے پھیرا جاتا ہے، نہ کسی اور کے کلام کو، اگر اس کلام سے کلام والے کا مقصود یہ ہے کہ خلق میں اسے ملامت حاصل ہو اور لوگ اس سے متنفر

ہوں، تو یہ بات بھی رُری ہے، خلق کی ملامت حاصل کرنے کے لیے تو اور بہت سے راستے ہیں۔ یہ کیا ضرور ہے کہ کوئی اپنے آپ کو سرحد کفر تک پہنچائے۔ (اور پھر ملامت مولے)۔ (مکتوب ۱۰۰ دفتر اول بنام ملا حسن کشمیری)

### تشريع

حالت سکر و حالت استغراق میں صوفی مجبورِ محض ہوتا ہے۔ اس حالت میں ان کا قول اور ان کا عمل قبل معانی ہوتا ہے۔ حضرت مجدد جس مقام پر فائز ہیں۔ اس مقام کی حامل شخصیت کے لئے شریعت کے قدس کو قائم رکھنے کے لئے اس طرح کے کلمات کہنے والوں کا محاسبہ کرنا، ان کے شایان شان ہے، جب کہ ہمارے لئے خاموشی ہی بہتر ہے۔ مرتب)

اہل باطل کی ریاضتوں کا، خاکروب کی ریاضتوں کی طرح ہونا

اہل باطل نے بہت سی ریاضتیں اور مجاهدے کئے ہیں، لیکن چونکہ وہ سنت کے مطابق نہیں ہیں، اس لیے وہ بے وقت ہیں۔ اگر انہیں ان شدید ریاضتوں کا اجر مرتب بھی ہوتا ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ دنیا کا کچھ نفع ہوتا ہے۔ کل دنیا ہی کون سی حیثیت رکھتی ہے کہ اس کے تھوڑے سے منافع کو اہم سمجھا جائے۔ ان لوگوں کی مثال خاکروب کی سی ہے کہ اس کی محنت سب سے زیادہ ہوتی ہے اور اجرت سب سے کم۔ شریعت کے تابع مجاهدے کرنے والوں کی مثال ایسی ہے، جیسا کہ الماس کے ذریعہ نہیں جوہروں میں کاریگری کرنے والے، کہ ان کا کام کم اور اجرت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ سنت کے مطابق ایک ساعت کا عمل، ہو سکتا ہے کہ اجر میں ایک لاکھ برس کے نیک عمل کے برابر ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو عمل شریعت کے موافق ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ کو عزیز ہوتا ہے، جب کہ خلاف شریعت عمل، ناپسندیدہ حق ہے۔ پس غیر پسندگی کی صورت میں ثواب کی کیا امید ہو سکتی ہے، بلکہ سزا کا ڈر ہوتا ہے۔ اس حقیقت کی عالمِ مجاز میں بھی نظیر موجود ہے، تھوڑی سی توجہ سے بات بخوبی

اپنے حالات کی تفہیش لازم ہے، تاکہ معلوم ہو کہ وہ کس چیز میں مصروف ہے، نفل میں یا فرض میں، ایک نفلی حج کے لیے کئی منوع چیزوں کا مرٹکب ہونا، کیا درست ہوگا؟ اچھی طرح غور کریں، صاحبِ عقل کے لئے اشارہ کافی ہوتا ہے۔ (مکتوب ۱۲۳ دفتر اول، بنام مولانا طاہر بدھنی)

### تشریح

تہذیب نفس اور تزکیہ نفس کا کام ایسا ہے، جس سے دین کے سارے کاموں کی سلامتی وابستہ ہے۔ اس کام سے بے نیاز ہو کر، دین کے دوسرا ہے جزوی کاموں میں تو نایاں صرف کرنا، یہ خسارہ کا سودا ہے۔ جب تزکیہ کے ذریعہ نفس کی دورگی اور بہیمت میں تبدیلی ہی واقع نہ ہو اور حب جاہ وحب مال اور حرص وہوس جیسے جذبات کی تہذیب ہی نہ ہوئی ہو تو اس صورت میں چھوٹے چھوٹے دینی کاموں میں تو نایوں کا استعمال غیر ضروری کاموں میں ہی شمار ہوگا۔ سب سے اہم کام نفس کی حالت کا تبدیل ہونا اور اسے مہذب بنانا ہے، اس کے بعد سارے دینی کاموں کو ان شاء اللہ قبولیت کا شرف حاصل ہوگا اور ان کاموں میں برکت بھی پیدا ہوگی۔ مرتب)

### راہ سلوک میں درمیانی راہ کو اصل منزل سمجھنا

راہ سلوک، انتہائی طویل راہ ہے۔ نیز مقصود، انتہائی بلندی پر ہے، اور ہمتیں انتہا درجے کی کوتاه ہیں۔ (اس راہ میں) جو درمیانی منزلیں آتی ہیں، وہ سراب کی ماند ہوتی ہیں، اللہ حفاظت فرمائے، طالب، درمیانی حالت کو انتہا سمجھ کر غیر مقصود کو مقصد سمجھ بیٹھتا ہے، اور ”چوں“ کو ”بیچوں“ تصور کرتا ہے، اس طرح وہ مطلب حقیقی تک پہنچنے سے رہ جاتا ہے۔ ہمت کو بلند رکھنا چاہئے۔ حاصل شدہ کسی چیز پر قناعت نہ کر کے (قرب خدا کی) اس سے بہت آگے تلاش کرنا چاہئے۔ اس قسم کی ہمت کا حاصل ہونا شخ کی توجہ سے وابستہ ہے اور اس کی توجہ مرید و مقتدی کی محبت

سبھی میں آجائی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ساری سعادتوں کا سرمایہ، سنت کا اتباع ہے، اور سارے فسادات کا سبب سنت و شریعت کی مخالفت ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں متابعت سید المرسلین ﷺ پر ثابت قدم رکھے۔ (مکتوب ۱۱۳ دفتر اول، بنام صوفی قربان)۔

### تشریح

اللہ و رسول پر ایمان اور شریعت کے بغیر نفس کے خلاف سارے مجہدے بے معنی والا حاصل ہیں۔ دنیا میں ان مجہدوں سے کچھ نہ کچھ فائدے ہوتے ہیں، لیکن عند اللہ ان کی قبولیت کی گنجائش موجود نہیں۔ موجودہ دور میں جہاں دنیا سمٹ کر ایک شہر کی صورت اختیار کر پچلی ہے اور میڈیا کے ذریعہ مادہ پرست افراد اور غیر مسلموں کے مراقبہ جات کی تشبیہ ہوئی ہے تو اس کے زیر اثر بعض ذہین مسلمان نوجوان بھی ایمان و عقائد اور شریعت کے بغیر ان مراقبہ جات کو اہمیت دینے لگے ہیں، جب کہ غیر مسلموں کے سارے مجہدے لا حاصل ہیں، اصل چیز ایمان اور شریعت ہے، اس کے بعد احسان ہے یعنی ذکر و فکر کے مجہدوں کی حیثیت ایمان و شریعت کے بعد ہے۔ لیکن اہل باطل کے مجہدوں کو ذکر و فکر بھی نہیں کہا جا سکتا، وہ تو قوتِ ارکاڑ کی مشقین ہوتی ہیں یا اپنے مذہب کے مش شدہ ذکر کے طریقے، جو اسلامی نقطہ نگاہ سے لا حاصل ہیں، بلکہ یہ مش شدہ طریقے اس اعتبار سے زیادہ نقساندہ ہیں کہ وہ افراد کو اسلامی عقائد اور شریعت سے دور لے جانے کا ذریعہ ہیں۔ مرتب)

### اپنے حالات کی تفہیش کا ناگزیر ہونا

حدیث میں آیا ہے کہ بندے کی اللہ سے روگردانی کی علامت، بندے کا لایعنی کاموں میں مشغول ہونا ہے۔ کسی نفل میں اس طرح مشغول ہونا کہ اس سے کسی فرض سے روگردانی ہوتی ہو، غیر ضروری کاموں میں داخل ہے۔ لہذا انسان پر

اور اخلاق کے مطابق ہوتی ہے۔

### تشریح

راہ سلوک میں نفسی قوتوں کو مضخل کر کے، انہیں اللہ و رسول کے تابع بنانا اصل مقصد ہوتا ہے اور نفسی قوتوں کو مضخل کرنا، ہمایہ پہاڑ طے کرنے کے مترادف ہے۔ اس راہ میں مستقل مزاجی سے ایک عرصہ تک چلنا پڑتا ہے۔ ایک عارف کے بقول اس راہ میں نفس پرستی کی ہزارہا دنیاں طے کرنی پڑتی ہیں۔ راہ سلوک کے اس سفر سے دین و دنیا کی جملہ سعادتیں وابستہ ہیں۔ اس سفر میں شیخ کی صحبت کو نیادی عمل دخل حاصل ہے، اس کی صحبت سے راہ صحبت میں چلنے کا ذوق شوق پیدا ہوتا ہے اور استقامت سے چلتے رہنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ (مرتب)

فقراء کے دروازے کی خاکروبی اختیار کرنا، مالداروں کے بیہاں کی صدر نشینی سے بہتر ہونا

اے بواہوں (انسان) تیرا معاملہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے۔ دو نتندوں کی مجلس میں دل سے شریک ہوں یا بے دلی سے، اگر یہ دل سے شریک ہوں تو یہ بُرا ہے اگر بے دلی سے ہوں تو یہ اس سے بُرا ہے، اگر مالداروں سے صحبت کا تعلق ہو تو فتنہ ہے اگر ان سے بغیر صحبت کا تعلق ہو تو الدنیا والا آخرہ کا مصدقہ ہے۔ (سنو) فقراء کے دروازہ کی خاکروبی، بیہاں کے مالداروں کی صدر نشینی سے بہتر ہے۔ آج یہ بات تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ لیکن بالآخر سمجھ میں آجائے گی اور اس وقت تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ تمہیں عمدہ کھانوں کی آرزو اور فاخراہ لباس کی تمنا نے اس مصیبت میں گرفتار کیا ہے (یعنی مالداروں سے تعلقات کی راہ پر گامزن کیا ہے) اصلی کام کی نکر کرو اور جو چیز حق تعالیٰ (کے قرب) سے روکے، اس کو دشمن سمجھ کر اس سے بھاگو اور پرہیز اختیار کرو۔ إِنْ مَنْ أَذْوَأَ جِنْمُمْ وَأَوْلَادَ كُنْمْ عَذَّلَوْا لَكُمْ فَأَخْذَرُوْهُمْ۔ (راہ

خدا سے روکنے والی) تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد تمہارے دشمن ہیں ان سے پرہیز کرو) یہ قرآنی فیصلہ ہے، مجھے صحبت کے حقوق نے اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ ایک مرتبہ تمہیں نصیحت کی جائے، اب اس پر عمل کرو یا نہ کرو۔ (تمہیں اختیار ہے)۔ (مکتب ۱۳۲ دفتر اول بنام مولانا محمد صدیق بدخشی)

### تشریح

فقراء کی صحبت کی اہمیت اس لئے ہے کہ ان کی صحبت سے مال و مالداروں سے استغنا اور اللہ کی محبت اور اس کی عبادیت کی زندگی اور اس کا سلیقہ و سعادت حاصل ہوتی ہے، فقراء کا دل محبوب حقیقی کی محبت سے سرشار ہوتا ہے، ان کی مسلسل صحبت سے عشق و محبت کا رنگ منتقل ہو کر مختکم ہونے لگتا ہے، پھر فرد کی حالت یہ ہوتی ہے کہ محبوب حقیقی کے علاوہ اس کی دوسری کوئی چاہت ہی نہیں ہوتی، اس طرح فقراء کی صحبت، فردوافراد کے لئے دنیا بھر کے مصائب اور پریشانیوں سے نجات کا ذریعہ بن جاتی ہے، اس لئے کہ فقراء کی صحبت کی برکت سے محبوب حقیقی اس کے لئے بہترین سہارا بن جاتا ہے اور اسے دنیا والی دنیا کے سامنے بھکتے پھرنے سے بچا لیتا ہے۔ (مرتب)

### اہل دنیا کی صحبت کا سمِ قاتل ہونا

فرزند ارشد! اس مبغوضہ دنیا سے خوش نہ ہوں، اور اللہ کے ساتھ تعلق دوامِ توجہ کے سرمایہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ (فرد کو) اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ وہ کیا چیز فروخت کر رہا ہے اور کیا خرید رہا ہے۔ آخرت کو دنیا کا بدله قرار دینا اور حق تعالیٰ سے روگردانی اظہار کر کے مخلوق میں پھنس جانا، یہ سب سے بڑی بیوقوفی ہے۔ دنیا اور آخرت کا جمع کرنا، ایک دوسرے کے مقابلہ ہے ..... ان دونوں چیزوں میں سے کسی ایک ہی کو اختیار کر لو ..... (مگر خوب سمجھ کر) آخرت کا عذاب ابدی ہے، جب کہ سامان دنیا قلیل ہے۔ دنیا اللہ کی غضب کی چیز ہے، اور آخرت اس کی

پسندیدہ ہے۔

عشق ماشہت فاکٹ میت والزم ماشہت فاکٹ مفارقة (زندہ رہ جتنا چاہے، تجھے موت ضرور آنی ہے۔ جس چیز کو جی چاہے، اس کو اختیار کر لے، تجھے اس چیز سے جدائی اختیار کرنی ہے)۔  
بیوی و فرزند کی فکر کو چھوڑ کر، ان کی تدبیر و کار سازی کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہئے، خود کو مردہ تصور کرنا اور اپنے سارے کاموں کو اللہ کے حوالے کرنا چاہئے۔  
إِنَّمَنْ أُذُواجِمُكُمْ وَأُولَادُكُمْ عَذَّلُوكُمْ فَأَخْلَذُوكُمْ نَصْ قاطع ہے۔ اس کو کئی مرتبہ سننا ہوگا۔  
خواب خرگوش کب تک؟ ہوش میں آنا ضروری ہے۔ اہل دنیا کی صحبت اور ان سے میل میلا پ سُمْ قاتل ہے۔ اس سُمْ قاتل کا مارا ہوا ابدی موت میں گرفتار رہے گا..... امیر دل کے دستخوان کا تقمہ چرب، قلبی مرض میں اضافہ کا باعث ہے الخدر، الخدر!

من انچہ شرط بلاع است با تو می گویم تو خواه از خشم پندگیر خواه ملال  
(ملکتوب ۱۳۸ دفتر اول بنام شیخ بہاء الدین سرہندی)

### تشریح

مالداروں کی صحبت مبتدی و متوسط صوفی کو تو متاثر کرتی ہی ہے، منتہی صوفی بھی مالداروں کی صحبت سے مکدر اور متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، اس لئے کہ فرد کا نفس مہذب ہونے کے باوجود بشری تقاضوں کا حامل ہوتا ہے، مالداروں کی صحبت کے نتیجہ میں یہ بشری تقاضے ابھرنے لگتے ہیں، اگر منتہی صوفی جلد بیدار نہ ہوا تو وہ بزرگی کے روپ میں مالدارانہ زندگی اختیار کرنے کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔ حضرت مجدد جیسے بزرگوں نے اس سلسلہ میں ہمیں متنبہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، لاششور میں دنیا کی حسرت کے احساسات کی وجہ سے شاید بزرگوں کے یہ انتباہات ہمیں بیدار کرنے میں ناکام ہیں۔ (مرتب)

اہل دنیا کی صحبت سے اس طرح بھاگو  
جس طرح شیر سے بھاگتے ہو

اہل دنیا کی صحبت سے اس سے بھی زیادہ بھاگو، جتنا شیر سے بھاگتے ہو، اس

لیے کہ شیر پھاڑے گا تو زیادہ سے زیادہ دنیاوی موت واقع ہو جائے گی، جو آخرت میں مفید ہے، لیکن مالداروں سے میل میلا پ ابدي ہلاکت اور دائی خسارہ کا باعث ہے، ان کی صحبت سے بچو، ان کے لقمه سے پر ہیز کرو، ان کی صحبت اور ان کی رویت سے بچو، یہ بات جو اتنے اہتمام سے کہی جا رہی ہے، وہ اس لئے کہ میں چانتا ہوں کہ مالداروں کے کھانے اور ان کی صحبت نے آس فرزند کے دل کو وعظ و نصیحت کے سمجھنے سے دور کر دیا ہوگا، اب تمہارا دل صرف ایک یادو با توں سے متاثر نہ ہوگا۔ مکر الخذر، الخذر امراء کی صحبت سے، اور الخذر الخذر ان کے دیکھنے سے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اس بات سے محفوظ رکھے، جس سے ہمارا اور تمہارا رب راضی نہ ہو۔ (ایضا)

### تشریح

بیہاں اسی بات کو دوسرا بیان میں ظاہر فرمایا گیا ہے کہ اہل دنیا کی صحبت سے اس طرح بھاگو، جس طرح شیر سے بھاگتے ہو، اہل دنیا اور مالداروں کی صحبت کے سلسلہ میں بزرگوں کے تجربات و مشاہدات ایسے ہیں کہ جس فرد نے بھی اس کی خلاف ورزی کی، اس نے اس کا نقد نتیجہ دیکھ لیا کہ ایسے افراد دنیاوی آلودگوں کا شکار ہو گئے، اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔ (مرتب)

رنج غم اور اضطراب کا راہ سلوک  
کے لوازمات میں شمار ہونا

رنج غم اور اضطراب، یہ محبت کی علامتیں ہیں، راہ فقر اختیار کرنے والوں کے لئے درد و غم ناگزیر ہے۔

غرض از عشق تو ام چاشنی است ورنہ زیر فلک اس باب تعمیم چکم است  
محبوب حقیقی پر اگندگی چاہتا ہے، تاکہ اس کے غیر سے مکمل طور پر آزادی حاصل ہو، راہ عشق کی خصوصیت ہے کہ بے آرامی میں آرام ہو، سوز میں ساز ہو، بے قراری میں قرار ہو اور جراحت میں راحت ہو۔ دوران سلوک آسانی طلب کرنا،

خود کو آزمائش میں ڈالنا ہے۔ طالب کو اپنے آپ کو مکمل طور پر محبوب حقیقی کے سپرد کر دینا چاہئے۔ جو کچھ بھی اس کی طرف سے ہو اور جو حالات بھی درپیش ہوں، انہیں انتہائی رضامندی کے ساتھ قبول کرنا چاہئے، شکوہ شکایات نہ ہونی چاہئے، یہی طریقہ زندگی ہے۔ (مکتوب ۱۳۰ دفتر اول بنام محمد مصوص کاہلی)

### تشريع

یہ بڑا اہم نکتہ ہے، جو حضرت مجدد نے بیان فرمایا ہے۔ نفس کے خلاف محابدوں سے روح کی لطافت، نفس پر غالب آنے لگتی ہے۔ اس سے بعض سالکوں پر بزرگوں کی ارواح اور ان کی صورتیں آشکار ہونے لگتی ہیں۔ اس سے مبتدی و متوسط سالکوں کو ایک بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ان کی توجہ صورتوں و شکلوں کے مناظر کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور ذکر اور اصلاح نفس کے کام کی بجائے وہ اسی کو مقصود سمجھنے لگتے ہیں۔ دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ دعویٰ آنے لگتی ہے اور بزرگوں کی روحوں سے رابط کو وہ اپنی بزرگی کے مقاصد کے لئے استعمال کرنے لگتے ہیں اور موقعے بے موقعہ اپنی ان چیزوں کا اکثر ذکر کرتے رہتے ہیں، اس طرح بزرگوں کے لطائف کی شکلیں ان کے لئے بڑا امتحان ثابت ہوتی ہے، حالانکہ ان بزرگوں کو اکثر خود بھی علم نہیں ہوتا کہ ان کی شکلوں کا کہاں ظہور ہو رہا ہے۔ مرتب)

### درویشوں سے بے نیازی کی روشن سرکشی کے علاوہ کچھ بھی نہیں

(درویشوں سے) یہ بے نیازی، سرکشی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ سرہ نے فرمایا ہے کہ ”اول نیازِ خستہ بعد ازاں توجہ خاطر شکستہ“..... یعنی پہلے اہل اللہ کے سامنے نیازِ مندی کا اظہار ہو، اس کے بعد ان کی طرف سے شکستہ دل کے درست کرنے کی تدبیر ہوگی۔ پس توجہ حاصل کرنے کے لیے طالب کی نیازِ مندی و عاجزی شرط ہے۔

سعادت آثارا! (اولا) ..... جو کچھ ہم پر اور تم پر لازم ہے، وہ ہے کتاب و سنت کے مطابق عقائد کی صحت، اس طور پر، جس طور پر علمائے اہل حق نے کتاب و سنت سے ان عقائد کو سمجھا اور اخذ کیا ہے۔ اگر عقائد علمائے حق کے فہم کے مطابق نہ ہوں تو ہمارے تھہارے سمجھنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، یوں تو ہر بدعتی اور گمراہ شخص

راہ سلوک میں چلنے کے نتیجہ میں نفسی قوتوں کو پامال کرنے کی خاطر محبوب کی طرف سے باطن پر اس کے جلال کے تیرگرتے رہتے ہیں، جس سے طالب بے چین ہو جاتا ہے، چونکہ نفس کی قوت محبوب کے جلالی عکسوں کے بغیر مضھل نہیں ہوتی، اس لئے تہذیب نفس کے لئے یہ ناگزیر ہیں۔ جب تک طالب کی قابل ذکر حد تک اصلاح نہیں ہوتی، تب تک طالب کو ان حالات سے گذرنا پڑے گا۔ اس سے فرار ممکن نہیں۔ مرتب)

### بزرگوں کی روحانیت سے فریب میں مبتلا ہونا

دو مکتوب پے در پے پہونچ، پہلے مکتوب میں حصول و سیرابی کی اطلاع تھی اور دوسرے مکتوب میں تفصیل و بے حاصلی کی خبر تھی، الحمد للہ، اعتبار خاتمه اور آخری حالت کا ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو سیراب سمجھے، وہ بے حاصل ہے اور جس نے خود کو بے حاصل جانا وہ واصل ہے۔ تم سے بار بار کہا گیا ہے کہ بزرگوں کی روحانیت اور ان کی امداد سے دھوکے میں نہ پڑ جانا۔ مشائخ کی صورتیں اصل میں شیخ کے لطائف ہوتے ہیں کہ وہ لطائف ان کی صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ توجہ کے لئے وحدت خیال شرط ہے۔ توجہ کو منتشر کرنا، نقصان کا موجب ہے۔ پناہ بخدا۔ (یعنی ذکر اور محبوب کے انوارِ حسن کی تجلیات کے علاوہ بزرگوں کی صورتوں کی طرف توجہ مرتنز ہونا، فرد کے لئے خطرہ کا موجب ہے)۔ (مکتوب ۱۳۸ دفتر اول بنام ملا محمد صادق)

اپنے احکامِ باطلہ کو کتاب و سنت سے ہی خیال کرتا ہے اور وہیں سے اخذ کرتا ہے، حالانکہ اس کا گمان، حق کی شاخت کے لیے کچھ بھی نافع نہیں۔ (مکتوب ۷۵، دفتر اول بنام حکیم عبدالوهاب)

### تشریح

اس مکتوب میں پہلی چیز درویشوں سے بے نیازی کی روشن کوشش قرار دیا گیا ہے، جب حب جاہ و حب مال اور دعویٰ کا بت مختکم ہوتا ہے تو اس کی سب سے بڑی سزا جو ملتی ہے، وہ درویشوں کو کم تر سمجھکر ان کی صحبت کو لا یعنی اور وقت کا ضیاع سمجھنے کی صورت میں ہوتا ہے، چونکہ نفس کے بت خانہ کی نوعیت کو سمجھکر، اس کی پرستش سے بچاؤ کی صورت عام طور پر علمائے ربانی اور درویشوں کی صحبت سے ہی پیدا ہوتی ہے، اس لئے درویشوں سے دوری کو بڑی سزا سمجھنا چاہئے۔ مکتوب میں دوسری چیز جس پر زور دیا گیا ہے، وہ قرآن و سنت کے اپنے سمجھے ہوئے مفہوم سے دستبردار ہو کر، علمائے اہل حق کے مفہوم کے مطابق اپنے ذہن کی تنقیل کرنا ہے، اس لئے کہ کامل اصلاح نفس کے بغیر عقل، نفس کا یغماں شدہ ہوتا ہے، نفس کے یغماں شدہ عقل میں علم کے باوجود وہ صلاحیت موجود نہیں ہوتی کہ وہ قرآن و سنت کی حقیقت اور اس کی روح کو سمجھ سکے۔ یہ ایسا نکتہ ہے، جسے بدقتی سے کتابی علم اور ذہانت کے جوابات کی وجہ سے نظر انداز کیا جاتا ہے، اس کی سزا متعلقہ افراد کو تو ملتی ہی ہے، لیکن امت کو بھی ملتی ہے کہ وہ اہل علم کی غلط فکری رہنمائی کی وجہ سے تقسیم کا شکار ہو جاتی ہے اور سلف کے دینی فہم سے دوری کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ (مرتب)

جب نفس پر حالتِ کفر غالب ہو

تو ایمان کی حقیقت کہاں؟

شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ صورتِ شریعت یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر اور رسول خدا جو اللہ کی طرف سے شریعت لائے ہیں، اس پر

ایمان لانے کے بعد، شرعی احکام بجالائے جائیں، نفس امارہ کی سرکشی کے باوجود جو اس کے آفرینش میں رکھی ہوئی ہے۔ اس مقام پر ایمان، صورتِ ایمان ہے، نماز، صورت نماز ہے اور روزہ، صورت روزہ ہے۔

سارے شرعی احکام کی یہی حیثیت ہے، اس لیے کہ جب نفس کفر و انکار پر ڈٹا ہوا ہے تو پھر ایمان اور اعمال صالحہ کی حقیقت کیسے متصور ہو سکتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ محض صورتِ ایمان و اعمال کو قول فرمایا، اس جنت میں داخل ہونے کی بشارت دے دی جو اس کا محل رضا ہے۔ (مکتوب ۵۰ دفتر دوم بنام مرا شمس الدین)

### تشریح

اس مکتوب میں صورتِ ایمان اور حقیقتِ ایمان کی وضاحت فرمائی گئی ہے، نفس امارہ جو کفر پر ڈٹا ہوا ہے اور جو حب جاہ اور حرص وہوں کے ہتوں سے سجا ہوا ہے، اس کی موجودگی میں اصلاح کی ظاہری صورت اگرچہ بڑی نعمت ہے، تاہم وہ ناکافی ہے اور حقیقتِ ایمان کی راہ میں رکاوٹ ہے، حقیقتِ ایمان، اسلامی شریعت پر صدق دل اور اخلاص کے ساتھ عمل پیرا ہونے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ (مرتب)

عبادت پر غرور کا

اعمال صالحہ کو نیست و نابود کرنا

پہلی حالت جو آپ نے لکھی ہے (کہ عبادت و ریاضت کرنے سے غرور اور بالاتری کا احساس پیدا ہوتا ہے) یہ دراصل عجب کی کیفیت ہے اور یہ سُم قاتل اور مہلک مرض ہے، جو اعمالِ صالحہ کو اس طرح نیست و نابود کر دیتا ہے، جس طرح آگ کڑی کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ اور اس بیماری کا بنیادی سبب یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنی عبادت وغیرہ اعمالِ صالحہ کو بہت اچھا اور قیمتی سمجھتا ہے اور اس کا علاج اس کے برخلاف رویہ اختیار کرنا ہے اور وہ یہ کہ آدمی اپنی نیکیوں کو بدگمانی کی نظر

سے دیکھے اور ان کے اندر جو خرایاں اور بُرا نیاں چھپی ہوئی ہیں، ان پر نظر جائے، پھر وہ محسوس کرے گا کہ اس کے وہ اعمال قابل قبول ہی نہیں ہیں اور وہ خود بھی مقبولوں کی بجائے مردودوں میں شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ ”بہت سے لوگ ہیں کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔“ اور ایک حدیث میں ہے۔

”کتنے ہی روزہ رکھنے والے ہیں، جن کا حال یہ ہے کہ ان کے روزہ کا حاصل بھوک پیاس کے سوا کچھ بھی نہیں اور کتنے ہی تجدُّد گذار ہیں، جن کے تجدُّد کی حقیقت اور اس کا انجام بے خوابی اور بیداری کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔“

### تشریح

فرد، اگر اپنے اعمال اور اپنی عبادت کا خود احتسابی سے جائزہ لے تو اسے محسوس ہوگا کہ اس میں اخلاص، بے نفسی، للهیت، خشوع و خضوع اور عاجزی کی تو غیر معنوی کی ہے، نیز اس میں نفسی آمیزش یا استقی و کاملی کے اثرات غالب ہیں۔ اس طرح کی عبادت و اعمال کے ہوتے ہوئے قبولیت کا شرف حاصل ہو، دشوار ہے، یہ خود احتسابی ہی فرد کو دعویٰ، ریا اور تکبر جیسی بیماریوں سے بچانے کا موجب بن سکتی ہے، یہ عجیب بات ہے کہ نفس، فرد کو نیکوکاری اور بزرگی کی آڑ میں دعویٰ اور تکبر کی راہ پر گامزن کرنے کا موجب بنتا ہے، یہ تکبر، فرد کے اعمال صالحہ کو نیست نا یود کر دیتا ہے۔ نیکوکاری کی آڑ میں دعویٰ و تکبر سے بچنے کی مؤثر ترین صورت یہی ہے کہ فرد، مسلسل خود احتسابی سے کام لیتا رہے۔ اور اللہ کے بندوں میں اپنے آپ کو سب سے زیادہ حقیر و سیاہ کا رسجھتا رہے۔ اگر نفس کے لئے یہ چیز بھاری ہو تو جبر سے نفس سے یہ اقرار کرالے اور اسے اس راہ پر لائے، ورنہ تکبر، اہل دنیا کی تباہی کا تو موجب بنتا ہی ہے، نیکوکاروں کے لئے بھی دونوں جہانوں میں رسولی کا ذریعہ بنے گا۔ مرتب)

### عارف کا اپنے اعمال کو سیاہ اعمال سمجھنے کا احساس

کسی کو اس فریب میں مبتلا نہ ہونا چاہیے کہ اس کے اعمال حسنہ خرابی سے خالی ہیں، ذرا بھی غور و توجہ سے اگر وہ دیکھے گا تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنے اعمال حسنہ میں ساری خرابیاں دیکھ لے گا۔ اور ان میں حسن و خوبی محسوس نہ کرے گا۔ کیسا ٹਬ اور کہاں کا احساس بالاتری! بلکہ اپنے ان اعمال کی چھپی ہوئی خرابیوں اور کوتا ہیوں کے احساس سے وہ شرم نہ اور دل شکستہ ہوگا اور یہی چیز عند اللہ اس کے اعمال کی قیمت بڑھادے گی اور ان کو قابل قبول بنادے گی، بس اس کی کوشش کریں کہ اپنے اعمال کی چھپی ہوئی خرابیوں اور کوتا ہیوں کو دیکھنے اور محسوس کرنے کی عادت پیدا ہو جائے۔ اس کے بغیر کچھ حاصل نہیں۔ اللہ کے جن بندوں کو یہ بات پوری طرح نصیب ہو جاتی ہے، وہ ایسا محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ان کی نیکیوں کا لکھنے والا داہمی طرف کا فرشتہ بالکل معطل اور بے کار بیٹھا ہے اور ان کے نامہ اعمال میں ایک نیکی بھی نہیں لکھی جا رہی ہے اور گناہوں کا لکھنے والا باائیں جانب کا فرشتہ برابر لکھنے میں مشغول ہے اور ہر عمل سراسر گناہ ہے اور وہ فرشتہ ہر عمل کو گناہوں کے خانہ میں لکھ رہا ہے، جب عارف اس سرحد پر پہنچ جاتا ہے تو کیا بتایا جائے کہ ربِ کریم کی طرف سے اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے۔ ع قلم انجبار سید و سر بشکست (یہاں پہنچ کے قلم ٹوٹ گیا، آگے کچھ لکھنے کے قابل نہیں رہا) الیضا۔

### تشریح

اس مکتب میں نفس کے اس مکر و فریب کی واردات کی نشاندہی فرمائی گئی ہے کہ عبادت و ریاضت کرنے کے باوجود وہ عابد اور بزرگ ہونے کے دعویٰ اور دوسروں کی تحقیر کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے، نفس، ذکر و فکر و عبادت کے مجاهدوں کے ذریعہ فرد، افراد کو بزرگی کی دعویٰ کی راہ پر بہت فریب کاری سے لگانے کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔ نفس کے اس فریب سے بچنے کی واحد صورت ذکر و فکر کے

غیر معمولی مجاہدے، احتساب نفس اور صحبت اہل اللہ ہے۔ جب طویل عرصہ تک ان تینوں چیزوں کا اہتمام ہوتا ہے تو اس کے بعد کہیں جا کر نفس کی حالت میں تغیر برپا ہوتا ہے اور وہ اپنی عبادت اور اپنے اعمال کو اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ اللہ جل شانہ کے ہاں قابل قبول ہو سکیں، پھر عارف کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ لرزائی و ترسائی رہنے لگتا ہے کہ کہیں وہ محبوب کے در سے نکال نہ دیا جائے، اور اس پر یہ احساس غالب ہونے لگتا ہے کہ وہ اپنے قصوروں اور سیہ کاری کی وجہ سے محبوب حقیقی کا سب سے زیادہ عتاب کا مستحق ہے۔ اس مقام پر عارف پر اپنی سیہ کاری اور اپنے کچھ بھی نہ ہونے کا احساس طاری رہتا ہے۔ راہ سلوک کی اصل، طالب کو اس مقام تک پہنچانا ہے۔ (مرتب)

بندے کا لا یعنی کاموں میں مشغول ہونا،  
اللہ سے اس کی دوری کی علامت ہونا

ضروریاتِ دین کو چھوڑ کر فضولیاتِ وزوائد میں مشغول ہونا، اپنی عمر کو لا یعنی وغیر ضروری کاموں میں صرف کرنا ہے۔ حدیث میں آیا ہے: ”بندے کا لا یعنی وغیر ضروری کاموں میں مشغول ہونا، اللہ تعالیٰ سے دوری کی علامت ہے۔“ اگر بحثِ امامتِ ضروریاتِ دین اور اصولِ شریعت سے ہوتی، جیسا کہ شیعہ گمان کرتے ہیں تو ضروری تھا کہ حضرت حق سجانہ و تعالیٰ کتاب مجید میں خلیفہ کا تعین و تقرر فرمادیتا اور حضرت پیغمبر ﷺ بھی خلافت کا حکم کسی ایک کے متعلق صراحتہ فرماتے اور کسی کو تصریح کے ساتھ خلیفہ بنادیتے۔ چونکہ کتاب و سنت میں اس امر کا اہتمام، مفہوم نہیں ہے، اس لیے معلوم ہوا کہ بحثِ امامت غیر ضروری وزوائد بحث ہے، جو اصولِ دین سے نہیں ہے۔ کوئی فضولی ہی ہوگا، جو فضولیاتِ وزوائد میں مشغول رہے۔ دین کی اتنی ضروریات سامنے ہیں کہ غیر ضروری باقی نہ رہے اور اس کی مراد، سوائے حق تعالیٰ کے اور دوم بنام محمد تقی۔ (مکتب ۶۰ دفتر

## تشريع

تہذیب نفس اور تزکیہ نفس کا کام دین کے سارے کاموں میں سب سے مقدم کام ہے، لیکن عام طور پر حالت یہ ہے کہ فرد و افراد تزکیہ نفس کی فکر کی بجائے بے شمار جزوی وغیر ضروری مسائل میں وقت ضائع کرتے رہتے ہیں۔ یہ غیر معمولی مسائل زندگی کا ہدف بن گئے ہیں، افراد معاشرہ کی عام طور پر جو حالت ہے، وہ یہ ہے کہ جو چیزیں تہذیب نفس سے تعلق رکھتی ہیں اور جن سے ان کی نجات وابستہ ہے، ان سے تو دلچسپی نہیں ہوتی، جب کہ ان کے علاوہ دنیا بھر کے لا یعنی مسائل کے لئے وقت موجود ہوتا ہے۔

جب فرد و افراد پر، نفس کی قوت غالب ہوتی ہے تو اس طرح کی نفیات ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اللہ ہماری اصلاح فرمائے۔ (مرتب)

جو چیز مقصود ہوتی ہے، وہی معبدوں ہوتی ہے

مشائخ طریقت قدس اللہ اسرار کے یہاں جو یہ مقولہ ہے ”ہرچہ مقصود تست معبدوں تست“ یعنی جو تیرا مقصود ہے، وہی تیرا معبدوں ہے، اس کے کیا معنی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شخص کا مقصود وہ شے ہوتی ہے، جس کی طرف وہ (ہمہ تن) متوجہ ہوتا ہے اور جب تک جان میں جان رکھتی ہے، اس مقصود کے حاصل کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا۔ ہر قسم کی ذلت و اکساری جو اس مقصود کے حاصل کرنے میں پیش آئے، اس کو برداشت کرتا ہے، سستی نہیں برتاتا ہے اور عبادت کا محაصل بھی یہی ہے، کیونکہ عبادت انتہائی ذلت کا اظہار ہوتی ہے، لہذا کسی چیز کا مقصود ہونا، اس شے کے معبدوں ہونا ہوا۔ پس غیر اللہ کی معبدویت کی نفی اس وقت حقیقت ہو گی جبکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی مقصود باقی نہ رہے اور اس کی مراد، سوائے حق تعالیٰ کے اور کوئی چیز نہ ہو۔ (مکتب ۳۰ دسمبر بنام میر محمد اللہ)

## تشریح

یہ حقیقت ہے کہ جو چیز مقصود ہوتی ہے، فرد اس میں جان کھپاتا ہے، اپنی ساری توانائیاں اس میں صرف کر دیتا ہے، اس چیز کا جنوں اس پر سوار ہوتا ہے، اس کی ساری فکرمندی بس اسی کے لئے ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو موجودہ دور میں افراد کی بڑی اکثریت کا مقصود مادی زندگی کی آسائشیں بن گئی ہے۔ ساری جدو جہد اور توانائیاں کا ہدف یہی چیز بن کر رہ گئی ہے۔ چنانچہ یہی مقصود پھر معبود کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اللہ کی عبادت مقصود کی صورت اسی وقت اختیار کر سکتی ہے، جب غیر کی نفعی کر کے، پیشتر جدو جہد عبدیت کے رنگ کو مستحکم کرنے کے لئے کی جائے، اس مکتوب میں اس کی بہتر طور پر توضیح فرمائی گئی ہے۔ (مرتب)

### ابرار اور مقرین کی عبادت

#### میں فرق

پس جب یہ محبت جس کو ذاتی محبت سے تعبیر کیا جاتا ہے، حاصل ہو جاتی ہے تو محبت کے نزدیک محبوب کی طرف سے انعام اور رنج والم کا ہونا یکساں ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کی عبادت خالص اسی کے لئے کرتا ہے، اپنے نفس کے لئے نہیں کرتا، یعنی وہ انعام طلب کرنے اور اپنے آپ کو رنج والم سے بچانے کے لئے عبادت نہیں کرتا، کیونکہ اس کی نظر میں یہ دونوں چیزیں برابر ہیں اور یہ مرتبہ مقرین کے لئے مخصوص ہے، کیونکہ ابرار ذاتی محبت کی سعادت سے بہرہ ورنہ ہونے کے باعث حق سجانہ و تعالیٰ کی عبادت خوف اور طمع کے لئے کرتے ہیں اور یہ دونوں (یعنی خوف و طمع) ان کے اپنے نفوں کی طرف راجع ہیں، پس لامحالہ ابرار کی نیکیاں، مقرین کی نسبت سے برائیاں ہیں، لہذا ابرار کی نیکیاں ایک لحاظ سے برائیاں ہیں اور ایک لحاظ سے نیکیاں، اور مقرین کی نیکیاں خالص اور مخصوص نیکیاں ہیں۔

ہاں، مقرین میں سے بعض وہ ہیں، جو بقا کی حالت میں آنے اور عالم

اسباب میں آنے کے بعد بھی ان کی عبادت میں خوف اور طمع کا غلبہ ہوتا ہے، لیکن ان کا خوف اور طمع ان کے اپنے نفوں کی طرف راجع نہیں ہوتا، بلکہ ان کی عبادت میں حق تعالیٰ کی رضامندی کی طمع اور اس کی شان عظمت کا خوف شامل ہوتا ہے، حق سجانہ و تعالیٰ کی عبادت اس کی رضامندی کی طمع اور اس کے غصب و عتاب سے ڈرتے ہوئے کرتے ہیں۔

اور اسی طرح وہ بینک جنت اس لئے طلب کرتے ہیں کہ وہ حق سجانہ و تعالیٰ کی رضامندی و خوشنودی کا مقام ہے، نہ کہ اپنے نفس کی لذت کے لئے۔ اور وہ دوزخ سے اس لئے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ حق سجانہ و تعالیٰ کے غصب و ناراضگی کی جگہ ہے، نہ کہ اپنے نفوں سے اس کے رنج والم کو دور کرنے کے لئے، کیونکہ یہ اکابر اپنے نفوں کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہیں اور مخصوص حق سجانہ و تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہو گئے ہیں اور مقرین کے مرتبوں میں یہ مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے۔ اور اس مرتبہ والے بزرگ کو مرتبہ ولایت خاصہ کے حصول کے بعد مقامِ نبوت کے کمالات میں سے پورا پورا حصہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص عالم، اسباب کی طرف نزول نہیں کرتا، وہ مغلوب الحال اولیاء میں سے ہے۔ (مکتوب ۲۲، دفتر اول)

#### تشریح

اس مکتوب میں ابرابر اور مقرین کی نیکیوں میں فرق کی جو بات فرمائی گئی ہے وہ بہت اہم ہے، مقرین فنائے نفس کے سارے مقامات طے کر کے قرب کے جس مقام پر فائز ہوتے ہیں، ابرار اس مقام سے آشنا نہیں ہوتے، ابرار، معرفت نفس کے مراحل سے نہ گذرنے کی وجہ سے نفس کی واردات اور اس کے مکر و فریب کی گھرائیوں کے فہم سے قاصر ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے نیکوکاری کے باوجود بہت ساری باطنی پیاریوں سے بچاؤ کے سلسلہ میں وہ ناکام رہتے ہیں۔

اللہ سے ذاتی محبت کے نتیجہ میں مقرین عرصہ تک اندر میں غوطہ زن ہو کر، نفس کے خلاف معركہ آرائی میں مصروف رہتے ہیں۔ اللہ کے انوار حسن کی مسلسل

شعاوں سے ان کے قلب کا آئینہ صاف شفاف ہو جاتا ہے اور اس میں نفسی قوتون کی معمولی سی معمولی آمیزش بھی صاف طور پر دکھائی دیتی ہے، جس کی وجہ سے وہ فوراً متنبہ ہو کر توبہ تائب ہوتے ہیں، جب کہ ابرار کو یہ سعادت حاصل نہیں ہوتی۔ موجود مادہ پرستی کے غلبہ کے دور میں ابرار کے گروہ میں شامل ہونا بھی بجائے خود بڑی سعادت کی بات ہے، تاہم ابرار اور مقریبین کے درمیان فرق کی نوعیت کو سمجھنا چاہئے کہ مقریبین کا گروہ عرصہ تک محبوب کی جلالی صفات کے عکس کے ذریعہ روزانہ ہرتا ہے، پھر زندہ ہو کر پھر موت کا شکار ہوتا رہتا ہے، جب پندرہ بیس سال کے مسلسل اس جلالی عمل سے ان کے نفس کی قابل ذکر حد تک اصلاح ہو جاتی ہے تو اس کے بعد کہیں جا کر انہیں جلالی تجلیات کے ذریعہ آئے دن کی موت کی حالت سے جان خلاصی ملتی ہے، اس طرح مقریبین، قیامت خیز حالات سے گزر کر نفس کو بڑی حد تک مہذب بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں، جب کہ ابرار کو ان مراحل سے گذرنا نصیب نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے وہ روزمرہ زندگی میں نفس کی حیرت انگیز قوتون سے آشنا نہیں ہو پاتے، تاہم وہ اپنے علم کی حد تک نیکی کے لئے کوشش ہوتے ہیں، جو اس دور میں بجائے خود بڑی سعادت کی بات ہے۔ (مرتب)

### دینی علم کی اہمیت

معتبر آدمیوں نے بیان کیا ہے کہ آپ کے بعض خلفاء کو ان کے مرید سجدہ کرتے ہیں اور زمین بوسی پر بھی کلایت نہیں کرتے، اس فعل کی برائی آفتاب سے بھی زیادہ ظاہر ہے، آپ ان کو منع کریں اور منع کرنے میں تاکید سے کام لیں۔ اس قسم کے افعال سے پرہیز کرنا، ہر شخص کے لئے ضروری ہے، خاص طور پر جو شخص لوگوں کا پیشووا و مقندا بنا ہوا ہو، اس کو اس قسم کے افعال سے پرہیز کرنا اشد ضروری ہے کیونکہ اس کے پیرو اس کے اعمال کی پیروی کریں گے اور مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔

اور نیز اس جماعت کے علوم، احوال کے علوم ہیں۔ اور احوال، اعمال کے

نتیجے و ثمرات ہیں، اور احوال کے علوم سے ورشہ اسی شخص کو ملتا ہے، جس نے اپنے اعمال کو درست کیا ہو اور ان کا حق ادا کرنے پر قائم رہا ہو۔ اور اعمال کی درستی اس وقت حاصل ہوتی ہے، جبکہ فرد اعمال کو پہچانے اور ہر عمل کی کیفیت کو جانے، اور وہ شرعی احکام یعنی نماز و روزہ اور باقی فرائض، معاملات و نکاح و طلاق و خرید و فروخت اور ہر اس چیز کا علم ہے، جس کو حق سمجھانہ و تعالیٰ نے اس پر واجب کیا ہے اور اس کو اس کی طرف دعوت دی ہے، اور یہ علوم محنت سے حاصل ہوتے ہیں، ان کو سیکھے بغیر کسی شخص کو بھی چارہ کار نہیں ہے۔

علم، دو مجاهدوں کے درمیان ہے، ایک مجاهدہ علم کے حاصل ہونے سے پہلے اس کی طلب کی صورت میں میں ہوتا ہے اور دوسرا مجاهدہ علم حاصل ہونے کے بعد اس کے استعمال یعنی اس پر عمل کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ پس جس طرح آپ کی مبارک مجلس میں تصوف کی کتابوں میں سے کچھ بیان ہوتا رہتا ہے، اسی طرح فقه کی کتابوں میں سے کچھ بیان ہوتا رہنا چاہئے، اور فقہ کی کتابیں فارسی میں بہت ہیں، مثلاً مجموعہ خانی، عمدة الاسلام و کنز فارسی، بلکہ اگر تصوف کی کتابوں میں سے بیان نہ بھی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں، کیونکہ وہ چیزیں احوال سے تعلق رکھتی ہیں اور بیان کرنے میں نہیں آتیں اور فقہ کی کتابوں میں سے بیان نہ ہونے میں نقصان کا احتمال ہے مزید گفتگو کیا کی جائے ”القليل يدل على الكثير“ (تھوڑی بات کثیر پر دلالت کرتی ہے)۔ (مکتوب ۲۹، ففتر اول)

### تشريح

اس مکتوب میں علم کی دو چیزیں بیان فرمائی گئی ہیں، ایک یہ کہ شریعت کا ظاہری علم حاصل کیا جائے، تاکہ زندگی بھر کے معاملات میں اسلامی شریعت کے احکامات کا علم حاصل ہو سکے۔

اگر اس علم سے جہالت ہوگی تو عمل کس طرح ہوگا۔ عمل کے لئے علم کا ہونا ضروری ہے۔ علم کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ عمل کی قوت واستعداد پیدا ہو اور نفس

سے شرعی احکامات بجالانے کی صلاحیت پیدا ہو، سلوک و تصوف کی ریاضتوں کا مقصد  
یہی ہے۔ مرتب)

### عشق و محبت کا

#### مقامِ عبدیت کا ذریعہ ہونا

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ حق تعالیٰ کی مقدس بارگاہ کے حوالے سے بات کرنے کی مجال نہیں ہے، اس لئے ہم اپنی بندگی کے مقام اور ذلت و عاجزی کے بارے میں بات کرتے ہیں کہ انسان کے پیدائش سے مقصود بندگی کے معمولات بجالانا ہے، اور اگر ابتدا اور درمیان میں کسی کو عشق و محبت دیا آگیا ہے تو اس سے مقصود حق تعالیٰ کے سواب سے فرد کا قطع تعلق کرنا ہے۔ عشق و محبت بھی اصل مقاصد میں سے نہیں ہے، بلکہ عشق و محبت عبدیت (بندگی) کا مقام حاصل ہونے کا ذریعہ ہیں، انسان حق تعالیٰ شانہ کا بندہ اسی وقت بتا ہے یہ عشق و محبت اللہ کے سوا ساری چیزوں سے (قلبی) رشتہ منقطع کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اور کچھ نہیں، جبکہ ماسوی اللہ کی گرفتاری و بندگی سے پوری طرح آزادی حاصل ہو جائے لہذا ولایت کے مراتب کا آخری مرتبہ مقام عبدیت ہے، ولایت کے درجات میں مقام عبدیت سے اوپر کوئی مقام نہیں ہے، اس مقام میں بندہ اپنے مولا کے ساتھ اپنے لئے اس کے سوا اور کوئی چاہت نہیں رکھتا کہ بندہ کی جانب سے احتیاج ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے ذات و صفات کے اعتبار سے مکمل استغنا و بے نیازی ہے اس سے مقصود یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ فرد اپنی ذات کو حق تعالیٰ جل شانہ کی ذات کے ساتھ اور اپنی صفات کو اس کی صفات کے ساتھ اور اپنے افعال کو اس کے ساتھ متصل محسوس کرے، اللہ کی صفات کا عکس کہنا زیادہ مناسب بات ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ تو اس سے بھی زیادہ پاک ہے، حق سجانے و تعالیٰ کو غائب اور اپنے آپ کو مخلوق جانا ہے، اس سے زیادہ کچھ کہنے کی جوأت نہیں۔ (دفتر اول مکتوب ۳۰)

### تشريع

اس مکتوب میں یہ اہم نکتہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگرچہ عشق و محبت کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ قرب کے مقامات کا تعلق عشق و محبت سے ہے۔ فرد، اللہ کی محبت میں جس تیز رفتاری سے چلے گا، فناۓ نفس کا سفر اسی رفتار سے جلد طے ہوگا، لیکن عشق سے اصل مقصود عبدیت کے مقام پر فائز ہو کر اللہ کی شان عظمت کے مقابلہ میں اپنی ہستی کو آخری حد تک فنا کرنا ہے۔ مقام عبدیت ہی وہ اصل مقصود ہے، کہ راہ محبت و راہ سلوک کے ذریعہ جس تک رسائی حاصل کرنی ہے۔

اللہ، شان عظمت و شان جلال کی حامل ہستی ہے، جب کہ بندہ کی حیثیت بندگی کے آخری حد تک آداب بجالانے کے باوجود اپنی بندگی کے عجز کا اعتراض کرنا ہے۔ بندہ کا کمال، مقام عبدیت پر فائز ہو کر، مولائے حقیقی کے سامنے ہمہ وقت آداب بندگی بجالانے سے زیادہ اور کوئی نہیں۔ عشق و محبت اس سفر کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ بعض بزرگوں نے عشق و محبت کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ یہ اہمیت اس لئے ہے کہ محبوب حقیقی سے عشق کے بغیر عبدیت کے سلیقہ سے آشنا ہوں اور عبدیت کے آداب بجالانے کی استعداد کا پیدا ہونا ممکن نہیں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عبدیت کے مقام کا حصول اگرچہ اصل مقصود ہے، لیکن چونکہ یہ مقصود عشق و محبت کے ذریعہ ہی حاصل ہوتا ہے، اس لئے ایک اعتبار سے عشق و محبت بھی مقصود ہی کے درجہ میں شامل ہے۔ اس لئے بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر انیاء کرام کی بعثت کے مقصد کو مختصرًا بیان کیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ فطرت میں محبوب حقیقی سے موجود محبت کے جذبات جسے گھر کا ماحول اور تعلیم و تربیت کے ادارے دبادیتے ہیں، انہیں بیدار کر کے اللہ کی اطاعت کے ذریعہ نہیں ارتقاً صورت دی جائے۔ مرتب)

### کچھ فنا کے درجات کے بارے میں

کوئی سادہ دل فرد یہ گمان نہ کرے کہ معرفت میں تو عام و خاص مبتدی و نتیجی

سب برادر ہیں (تو پھر عوام و خواص کے درمیاں فرق ہی کیا ہے) ہم (اس کے جواب میں) کہتے ہیں کہ اس (سادہ دل) نے علم اور معرفت میں امتیاز نہیں کیا ہے۔ مبتدی کو محض معرفت کا علم ہے، جب کہ متنبی کو اس کی معرفت حاصل ہے، معرفت، فنا کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور یہ دولت فانی فی اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

**ہمچکس راتا ننگردد او فنا**

(ترجمہ) جب تک انسان کونہ حاصل ہو فنا۔

پائے کیونکر بارگاہ کبریا

پس جب معرفت، علم کے علاوہ ہوئی تو جاننا چاہئے کہ مشہور دانش کے سوا ایک اور چیز ہے، جس کو معرفت سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کو ادراک بسیط بھی کہتے ہیں۔ شعر:

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہر زہ نیست ہم قصہ غریب و حدیث عجیب ہست  
(ترجمہ) حافظ جو کہہ رہا ہے وہ بیکار تو نہیں یہ بات بس غریب بھی ہے اور عجیب بھی۔  
مثنوی:

اتصالے بے تکلیف بے قیاس ہست رب الناس باجان ناس

لیک گفتہ ناس رانناس نہ ناس غیر از جان جان آشنا نہ

(ترجمہ) حق سے انسان کا عجب ہے اتصال عقل و کیفیت میں کیونکر آئے گا؟ یہ ہے بات انسان کی حیوان کی نہیں جان جان کا بس ہے انسان آشنا۔

فنا کے بھی مرتبے مختلف ہیں، اس لئے منہیوں کو بھی حق تعالیٰ کی معرفت میں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوگی، جس شخص کی فنا کامل ترین ہوگی، اس کی معرفت بھی کامل ترین ہوگی اور جس کی فنا کم درجے کی ہوگی، اس کی معرفت بھی کم درجہ کی ہوگی۔ علی ہذا القیاس۔

سبحان اللہ! بات کہاں پہنچ گئی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ میں اپنی بے حاصلی و نامرادی، بے استقامتی اور بے ثباتی کی نسبت کچھ لکھتا اور دوستوں سے مدد طلب

کرتا۔ مجھے اس قسم کی باتوں سے کیا مناسبت۔

آگہ از خویشن پونیست جنین چہ خبردار از چنان وچنیں

(ترجمہ) جبکہ واقف نہیں ہے خود سے جنین پھر وہ کیا جانے چنان وچنیں۔

لیکن بلند پایہ بہت اور ذاتی خصلت اجازت نہیں دیتی کہ انسان پست نوعیت کی چیزوں اور ادنیٰ سرماۓ کی طرف اُتر آئے اور ان کی طرف توجہ کرے، اگر کہا ہے تو اسی (حق تعالیٰ) کے بارے میں ہی کہا ہے، اگرچہ کچھ نہیں کہا ہے اور اگر فرد تلاش کرے تو اسی کو تلاش کرے، اگرچہ کچھ بھی نہیں پاتا ہے، اگر کچھ آرزو رکھتا ہے تو اسی کی رکھتا ہے، اگرچہ کچھ بھی نہیں رکھتا ہے، اور اگر واصل ہے تو اسی کے ساتھ واصل ہے اگرچہ (یہ واصل ہونا) بے حاصلی ہے۔ (دفتر اول مکتوب ۳۸)

### تشريع

اصل معرفت تو فانی فی اللہ اور بقا باللہ کے حامل صوفی کو حاصل ہوتی ہے۔ مبتدی معرفت کی نوعیت تک سے نا آشنا ہوتا ہے، متنبی صوفی کو جب معرفت حاصل ہوتی ہے تو اس وقت اس کی حالت وہی ہوتی ہے، جس کا مظاہرہ مکتب کے آخری حصہ میں ہوا کہ سالک عاجز ہو کر رہ جاتا ہے، سارے مجاہدوں اور ساری توانائیوں کے استعمال کے باوجود وہ اللہ کی شان عظمت کی معرفت سے قاصر ہوتا ہے۔ وصول کی ساری کوششوں کے باوجود وصول الی اللہ کو اپنے سے دور، بہت دور محسوس پاتا ہے، معرفت کی ساری باتیں بیان کرنے کے باوجود وہ سمجھتا ہے کہ کچھ بھی تو بیان نہیں ہوا۔ اللہ کی ذات اقدس اس سے بلند اور بہت زیادہ بلند ہے۔ مرتب)

### روح کی ترقی کا نفس کی مخالفت

سے وابستہ ہونا

جاننا چاہئے کہ نفس کے مطمئنہ ہو جانے کے باوجود اس کی صفات کے باقی رکھنے میں بہت سے فائدے اور منافع ہیں، اگر نفس کو اس کی اپنی صفات کے ظہور

سے بالکل روک دیا جائے تو ترقی کا راستہ بند ہو جائے گا اور روح، فرشتے کا حکم پیدا کر لے گی اور وہ ایک ہی مقام تک محدود ہو جائے گی (کیونکہ) روح کی ترقی نفس کی مخالفت کی وجہ سے ہے، اگر نفس میں مخالفت کا مادہ موجود نہ رہے تو روح کو ترقی کھاں سے حاصل ہو گی۔

سرورِ کائنات ﷺ جب کفار کے خلاف جہاد سے واپس تشریف لائے تو فرمایا ”رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر“ (یعنی ہم نے جہادِ اصغر (قال بالکفار) سے جہادِ اکبر (جہادِ نفس) کی طرف آئے) آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد میں نفس کے خلاف جہاد کو جہادِ اکبر فرمایا۔ (مکتب ۳۱، دفتر اول)

### تشريع

اس مکتب میں یہ اہم نکتہ بیان فرمایا گیا ہے کہ ریاضتوں و مجاہدوں سے نفس کی تہذب ہو جانے کے باوجود اس کی بشری صفات باقی رہتی ہیں۔ فرد کے نفسی جذبات بھی موجود ہوتے ہیں۔ نفس کی ان صفات کو باقی رکھنے میں بڑی مصلحتیں موجود ہیں کہ روح کی ترقی، مخالفت نفس سے ہی وابستہ ہے، لیکن فنائے نفس کے بعد نفس کی رکشی کا زور ٹوٹ جاتا ہے اور شرعی احکام پر عمل پیرا ہونے میں وہ دشواری باقی نہیں رہتی، جو مبتدی و متوسط طالب کو ہوتی ہے۔ (مرتب)

### دل پر لگے ہوئے زنگ کو دور کرنے کی صورت۔ اتباع سنت

(محبوبِ حق سے) محروم دل کے آئینہ کو غیراللہ کی محبت کے زنگ سے صاف کرنا ضروری ہے، اور اس زنگ کو دور کرنے کے لئے سب سے بہتر چیز حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی روشن و بلند سنت کی پیروی کرنا ہے۔ اتباع سنت کا دارو مدار نفسانی عادتوں سے گلو خلاصی اور رسموں سے نجات سے وابستہ پر ہے ”فطوبی لمن شرف بهذه النعمة العظمى وويل لمن حرم من هذه الدولة القصوى“ (ترجمہ: پس

اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس کو اس بڑی نعمت کا شرف حاصل ہوا اور اس شخص کے لئے افسوس ہے جو اس اعلیٰ دولت سے محروم رہا۔ (مکتب ۳۳، دفتر اول)

### تشريع

جو دل محبوبِ حق کی محبت سے محروم ہے، اس پر نفس پرستی کے زنگ لگ جاتے ہیں۔ نفس پرستی کے یہ زنگ فردا فراد کو اسلامی شریعت اور حضور ﷺ کی سننوں پر عمل پیرا ہونے کی راہ میں سخت رکاوٹ ہیں۔ اس لئے اللہ کی محبت کے ذریعہ نفس کے ان زنگوں کو صاف کرنا ضروری ہے۔ (مرتب)

### کشف میں القاء شیطانی کا دخل ہونا

دوسرा سوال یہ ہے کہ طالب صادق کے کشف و شہود میں شیطانی القا کو دخل ہے یا نہیں؟ اور اگر دخل ہے تو کشف شیطانی کو واضح کریں کہ وہ کس طرح ہے، اور اگر دخل نہیں ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ بعض الہامی چیزوں میں غسل واقع ہو جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے واللہ سبحانہ اعلم بالصواب (صحیح بات تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کو ہی جانتا ہے) کہ کوئی شخص بھی القاء شیطانی سے محفوظ نہیں ہے، جبکہ یہ دخل اندازی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں بھی شامل ہے تو اولیائے کرام میں تدریجہ اولیٰ ہو گی، طالب صادق کس گنتی میں ہے، حاصل کلام یہ کہ انبیاء علیہم السلام کو اس القاء (شیطانی) پر (حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے) آگاہ کر دیا جاتا ہے اور باطل کو بھی حق سے جدا کر دیا جاتا ہے (جیسا کہ) آیۃ کریمہ فَيَسْأَلُ اللَّهُ مَا يَلْقَى الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُخْكِمُ اللَّهُ أَبِيهِ۔ (سورہ الحج آیت ۵۲) (پس جو کچھ شیطان القا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیتا ہے پھر اپنی آیات کو محکم وائل کر دیتا ہے) اسی مضمون پر دلالت کرتی ہے اور یہ بات اولیاء کے لئے لازم نہیں ہے، کیونکہ ولی، نبی کے تابع ہوتا ہے، وہ جو کچھ نبی کے (قول و فعل کے) خلاف پائے گا، اس کو رد کر دیگا، ہاں ایسی صورت میں جس میں نبی کی شریعت خاموش ہو اور اس معاملہ میں اثبات وقی کے ضمن میں

کوئی شرعی حکم موجود نہ ہو تو حق و باطل کے درمیان امتیاز یقینی طور پر مشکل ہوتا ہے، کیونکہ الہام کا تعلق ظن سے ہے، لیکن عدم امتیاز کی صورت میں ولی کی ولایت میں کوئی کسی واقع نہیں ہوتی، اس لئے کہ شریعت (کے احکام) کی بجا آوری اور نبی کی پیروی دونوں جہان میں فلاج و فجاجات کی ضامن ہے اور جن امور کے بارے میں شریعت نے سکوت اختیار کیا ہے، وہ شریعت سے زائد ہیں اور ہم زائد معاملات کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ (دفتر اول مکتوب ۱۰۷)

### تشريع

کشف کی حیثیت یہ ہے کہ اس میں شیطانی القاء کے امکانات پوری طرح موجود ہیں، اس کشف کو اتنی اہمیت دینا کہ جدید دور کے بیشتر بزرگوں اور ان کے مریدوں کی طرف سے اسے بزرگی کے معیار کے طور پر پیش کرنا، اور طالبوں کی اسی بنیاد پر ذہن سازی کرنا، راہ سلوک و راہ محبت کے اہداف کو تبدیل کرنے کے متراff ہے، اس کا ایک بڑا نقصان جو ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ طالب زندگی بھر اس حسرت میں رہتا ہے کہ بزرگ سے والبستگی کے باوجود اسے تو کشف اور دوسرا دنیا کے مشاہدے ہی حاصل نہیں ہوئے۔ اس کو وہ اپنی سب سے بڑی محرومی سمجھنے لگتا ہے۔ طالبوں کی اس ذہنیت اور نفسانی سانچے کو پیش نظر رکھر، یہ کہنا بجا ہوگا کہ کشف اور بہتر خوابوں کی حقیقی اہل اللہ کے ہاں کوئی اہمیت نہیں، اصل دیکھنے کی چیز یہ ہوتی ہے کہ طالب کی زندگی میں اسلامی اعتبار سے بنیادی تغیر واقع ہوا ہے یا نہیں، اگر ہوا ہے تو یہ چیز ہزار کشفوں پر بھاری ہے۔ مرتب)

### کشف میں قوت متحیله کا کردار

جاننا چاہئے کہ غلط کشف کا واقع ہونا، محض القاء شیطانی ہی کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خیالی قوت، غلط احکام کی ایک صورت پیدا کر لیتی ہے جس میں شیطان کا کوئی دخل نہیں ہوتا، اسی قسم میں یہ بھی شامل ہے کہ بعض

لوگوں کو خواب میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوتی ہے اور وہ آپ سے بعض احکام اخذ کر لیتے ہیں، جو حقیقت میں شرعی احکام کے خلاف ہوتے ہیں، ایسی صورت میں القاء شیطانی تصور نہیں کی جا سکتی، کیونکہ علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ شیطان، حضرت محمد ﷺ کی شکل میں کسی طرح بھی ظاہر نہیں ہو سکتا۔ پس اس صورت میں یہ خیالی قوت ہی ہوتی ہے، جو اس صورت میں ظاہر ہوتی ہے کہ وہ غیر واقع کو واقع تصور کر لیتے ہے اور کچھ نہیں ہے۔ (دفتر اول مکتوب ۱۰۷)

### تشريع

کشف میں خیالی قوت کو بھی عمل دخل ہوتا ہے، مثال کے طور پر ایک متوسط صوفی شدید خواہشمند ہے کہ اسے بزرگوں کی طرف سے خلافت مل جائے، یہ فکر اس پر غالب ہے، اس خیالی قوت کو وہ کشف یا خواب میں اس طرح دیکھتا ہے کہ بڑے بڑے بزرگوں کی روحوں سے اس کی ملاقات و زیارت ہوتی ہے، وہ تحریری صورت میں اسے خلافت دے رہے ہیں۔ یہ قوت متحیله کے اثرات و تباخ ہیں، ادھر یہ متوسط صوفی بہت شاداں و فرحاں ہے اور اپنی ہر مجلس میں بزرگوں کی طرف سے دی گئی خلافت کا چرچا کر رہا ہوتا ہے۔ اس چیز کے قوت متحیله نہ ہونے کا اعتبار اس وقت ہوتا، جب یہ متوسط صوفی حب جاہ و حب مال سے پوری طرح محفوظ ہوتا اور اس خلافت پر شاداں و فرحاں ہو کر، اسے معتقدوں و مریدوں کی تعداد میں اضافہ کا ذریعہ نہ بنانا۔ مرتب)

### تلخقوا باخلق اللہ کی تشریع

واضح ہو کہ ”تلخقوا باخلق اللہ“ کے معنی جو ولایت میں معتبر ہیں، وہ یہ ہیں کہ اولیاء کو ایسی صفات حاصل ہو جائیں، جو حق تعالیٰ کی صفات سے مناسبت رکھتی ہوں، لیکن وہ مناسبت صرف اسم اور عام صفات میں مشارکت ہو سکتی ہے خواص معانی میں مناسبت نہیں ہو سکتی کہ وہ اس میں محال ہے اور اس میں حقائق کا تغیر

وبدل لازم آتا ہے۔

خواجہ محمد پارسا قدس سرہ تخلقوا بالخلق اللہ کے مقام کی تحقیقت کے بیان میں فرماتے ہیں کہ (حق سبحانہ و تعالیٰ) کی ایک صفت ملک (بادشاہ) ہے اور ملک کے معنی ہر چیز میں تصرف کرنے والے کے ہیں، جب راہ حق کا سالک اپنے نفس پر قابو پالیتا ہے اور اسے مغلوب کر لیتا ہے تو وہ ملک کی اس صفت کا مناسب رکھنے والا کہلاتا ہے اور ایک صفت سمجھ ہے اور سمجھ کے معنی سننے والے کے ہیں، جب راہ حق کا سالک ہر شخص کی نیک باتیں طبیعت کی گرانی کے بغیر سُن کر قبول کر لیتا ہے اور غیبی اسرار و حقائق کو روح کے کانوں سے سُنتا ہے تو وہ اس صفت (سمجھ) سے مناسب رکھنے والا کہلاتا ہے اور ایک صفت بصیر ہے اور بصیر کے معنی دیکھنے والے کے ہیں، جب سالک کی بصیرت (دل کی آنکھ) روشن ہو جاتی ہے تو وہ اپنے سارے عیوبوں کو نورِ فراست سے دیکھنے لگتا ہے اس وقت دوسروں کو مکال درجہ پر پا کر سب کو اپنے سے بہتر دیکھتا ہے اور اس کا اپنے آپ کو دوسروں سے حقیر تر دیکھنا اسے حق تعالیٰ کا منظورِ نظر بنا دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ جو کچھ کرتا ہے، حق سبحانہ و تعالیٰ کا پسندیدہ کام ہوتا ہے تو اس وقت وہ اس صفت بصیر سے مناسب رکھنے والا کہلاتا ہے اور حق تعالیٰ کی ایک صفت محی ہے، محی کے معنی زندہ کرنے والے کے ہیں۔ جب سالک ترک شدہ سنت کو زندہ اور قائم کرتا ہے تو وہ اس صفت محی سے مناسب رکھنے والا کہا جائے گا اور حق تعالیٰ کی ایک صفت ممیت ہے، یعنی مارنے والا۔ جب سالک ان بدعاں سے جو لوگوں نے سنت کو ترک کر کے اختیار کر لی ہوں، ان کے خلاف آواز بلند کرتا اور ان کی روک تھام کے لئے کوشش ہوتا ہے تو وہ اس صفت ممیت سے مناسب رکھنے والا ہو جاتا ہے۔ علی ہذا القیاس۔ (مکتب ۷۰، دفتر اول)

### تشریح

کثرت ذکر و فکر کے نور سے جب نفس کی صفات میں تغیر واقع ہوتا ہے اور صبغۃ اللہ (اللہ کا رنگ) غالب ہونے لگتا ہے تو بندہ میں اللہ کی بعض صفات کا عکس

آجاتا ہے، مثلاً اللہ رحیم ہے تو بندہ کو رحم کی اس صفت میں سے کچھ حصہ ملنے لگتا ہے۔ اللہ صابر ہے تو بندہ میں صبر و قوت برداشت کی صفات آجاتی ہے، اللہ مدد کرنے والا ہے تو بندہ بھی اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کی مخلوق کی مدد کے لئے کوشش ہوتا ہے۔ تخلقاً بالأخلاقِ اللہ کی یہ استعداد کثرت ذکر کے نور کے بغیر پیدا ہو سکے، ممکن نہیں۔ اہل اللہ کو اس کا وافر حصہ ملنے لگتا ہے، یہ اوصافِ بلند ہی اہل اللہ کے مقامات کو بلند کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ مرتب)

### فقیروں کے لباس میں دنیا طلبی کی مذمت

فقیروں کے لباس میں رہ کر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی (ناپسندہ دنیا) کی تلاش ڈھنگوں میں لگے رہنا، بہت ہی بڑی بات ہے۔

تجھ بے کہ یہ بُری چیز تھیں کیسے بھلی معلوم ہونے لگی ہے۔ دنیاوی ضروریات کے حصول کے لئے ضرورت کے مطابق ہی کوشش کرنی چاہئے، ساری عمر ان کاموں میں مصروف رہنا اور قیمتی زندگی کو اسی دنیا پر ضائع کرنا، محض بے وقوفی ہے، چند روزہ زندگی کی مہلت کو غیمت جانیں۔ ہزار افسوس، اس شخص پر، جو بے فائدہ کاموں میں وقت ضایع کرے۔ آگاہ کردیانا شرط ہے۔ ماعلی الرسول الا البلاغ۔ قاصد کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے، لوگوں کے (مُرَا بھلا) کہنے سے تنگدل نہ ہوں، وہ باقی جو لوگ آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اگر آپ میں نہیں ہیں تو کوئی غم نہیں۔ کتنی بڑی خوش نصیبی کی بات ہے کہ لوگ اس کو بُرًا جانیں، جبکہ وہ حقیقت میں نیک ہو، اگر معاملہ اس کے بر عکس ہو تو خطرہ کی بات ہے۔ (مکتب ۱۵۰، دفتر اول)

### تشریح

دنیا کی حرست میں رہنا، اپنی ساری تو انیماں دولت کے حصول میں صرف

کرنا، یہ تو خسارہ عظیم ہے ہی، لیکن فقیری کے لباس میں دنیا کی چاہت کا ہونا اور درویشی کی روپ میں دولت بھج کرنے کی کاوشوں کا ہونا، یہ تو اس سے زیادہ بڑا ہے۔ اللہ نے زندگی کی جو مہلت دی ہے، اسے غیمت سمجھکر، آخرت میں نجات کی جدوجہد میں صرف کرنا، یہی سب سے بڑی سعادت ہے۔ درویشی اور بزرگی، فقر کا اعلیٰ ترین سے وابستہ ہے۔ الفقر فخری کے مطابق رسالتِ مبارکہ ﷺ کی زندگی، فقر کا اعلیٰ ترین نمونہ تھی۔ آپ کی زندگی بھر کا معقول تھا کہ دن بھر میں جو بھی دولت و درہم آتا، وہ رات کو سونے سے پہلے ہی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے۔ ایک رات، گھر والوں سے کچھ رقم خرچ کرنے سے رہ گئی تو آپ ﷺ کی ساری رات بے چینی کی حالت میں گذری، فقر کی یہی زندگی اہل اللہ کو، رسول اللہ ﷺ سے والہانہ محبت کے نتیجہ میں حاصل رہی ہے اور یہی زندگی اہل اللہ اور بزرگانِ دین کی امتیازی شانی رہی ہے۔ اہل اللہ کے حالات زندگی پر جتنی بھی کتابیں لکھی گئی ہیں، ان سب میں جو مشترکہ بات نظر آتی ہے، وہ ان کی دنیا سے بے نیازی، استغنا اور حالت فقر ہے۔ حضرت بہاء الدین زکریاؑ، اور حضرت خواجہ عبید اللہ احرار جیسی چند شخصیتوں کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے ہاں دنیاوی وجاہت کا سامان موجود تھا، لیکن ان کے بارے میں یہ بھی ملتا ہے کہ ان کے مال میں اللہ کی غریب مخلوق کے لئے غیرمعمولی حصہ موجود تھا۔

بیسویں صدی کے ایک بڑے عارف اور مفکر جنہوں تاریخِ دعوت و عظیمت پر مؤثر کتابیں لکھی ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اہل اللہ کے کام اور جدوجہد میں ایک بات جو سب میں مشترکہ نظر آتی ہے، وہ ان کا فقر، دنیا سے بے نیازی کی روشن، توکل اور زہد کی صفات ہیں، موصوف مزید لکھتے ہیں، دعوت و عظیمت کا کام اور فرقہ و زہد، توکل اور استغنا یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزم ہیں۔ ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

اس دور میں بزرگی کے نام پر سرمایہ دارانہ زندگی کے مظاہر و مناظر دراصل سلف صالحین کے تسلسل کے منافی ہیں، اس کا نتیجہ ہے کہ تصوف، امت کا اس وقت

سب سے تنازع ادارہ بن گیا ہے۔ دوم یہ کہ جگہ جگہ بزرگوں کی اولاد اور ان کے خلیفوں کے درمیان دولت و املاک کی تقسیم پر تصادم برپا ہیں اور مقدمات چل رہے ہیں۔ (مرتب)

### زندگی کا فقراء کے ساتھ گزارنے کا عہد کرنا

بہر حال چند روزہ زندگی، فقراء کے ساتھ گزارنی چاہئے: وَاضْبِرْ تَفْسِكَ نَعَةَ الْأَدِيْنَ يَذْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْمَقْدَاهَ وَالْعَيْنِيْ بِرِينَدُونَ وَجَنَهَهُ۔ (سورہ کہف ۱۸ آیت ۲۸) (یعنی اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ رہ کر رکھو (یعنی ان کی صحبت و ہمنشینی اختیار کرو) جو صبح و شام اپنے رب کو اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے پکارتے (عبادت کرتے ہیں) خود نصی قاطع ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کا حکم فرمایا: ایک عزیز فرماتے ہیں کہ ”اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا يَعْمَلُ“ کیا ماجرا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کے ساتھ کیا ہے کہ جو شخص اُن (فقراء) کو پہچان لے، وہ تھجھ کو پالیتا ہے اور جب تک تھجھ کو نہیں پالیتا، ان کو نہیں پیچانتا ”رَزَقْنَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَإِيْكَمْ مَحْبَةُ هَذِهِ الطَّائِفَةِ الْعُلِيَّةِ الشَّرِيفَةِ“ (اللّٰهُ تَعَالٰى ہمیں اور آپ کو اس بلند مرتبہ اور شریف گروہ کی محبت عطا فرمائے۔ (آمین) (دفتر اول مکتوب ۷۴۵)

### تشریح

بڑے بڑے علماء و فضلا کا یہی تجربہ ہے کہ زندگی بھر کے علم اور تلاش و تحقیق کے باوجود نفسی قوتوں کا ادراک حاصل نہ ہو سکا اور علمی جوابات، معرفت نفس اور معرفت رب کی راہ میں حائل رہے۔ جوں ہی قلب میں معرفت کی حقیقی طلب پیدا ہوئی اور کسی اللہ والے تک رسائی حاصل ہوئی تو قلب میں نور معرفت کا ایسا چراغ جتنا شروع ہوا کہ محسوس ہوا کہ حقیقی زندگی تو اب حاصل ہوئی ہے، یہ اللہ کی سنت ہے کہ کسی حقیقی اللہ والے کے سامنے خود پر دگی کے بعد ہی اصلاح نفس کی حقیقی صورت پیدا ہوتی ہے، باطنی بیماریوں کا علاج ہونا شروع ہوتا ہے۔ انسانی جو ہر دوں سے بہرہ

وری ہوتی ہے، نیز محبوب کے وصال کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ (مرتب)  
مبتدی و متقی کے وسوسوں و خطرات کی نوعیت

درویشوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی (اتفاق سے) راہ طریقت والوں کے خطرات و وسوسوں کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی۔ اسی ضمن میں ایک حدیث کا ذکر آیا کہ ایک روز اصحاب کرامؐ میں سے بعض نے آں سرور عالم ﷺ کی خدمت میں اپنے بُرے خطرات اور وسوسوں کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”ذالک من کمال الایمان“ (یہ ایمان کے کمال میں سے ہے) اس وقت اس حدیث کے معنی اس نقیر کے دل میں اس طرح آئے۔ جب کہ حقیقت حال تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کمال ایمان سے مراد کمال یقین ہے اور یقین کا کمال قرب کے کمال سے وابستہ ہے، اور قلب اور اس سے اوپر کے لطائف (روح، سر، خفہ اور انخی) کو جس قدر قرب الہی زیادہ حاصل ہوگا، اسی قدر ایمان و یقین بھی زیادہ ہوگا، اور قلب کے ساتھ اس کی بے تعقی زیادہ ہو جائے گی۔ اس وقت قلب میں خطرات بہت زیادہ ظاہر ہوں گے اور بہت نامناسب و سوسمانیاں ہوں گے، اس لئے بُرے خطرات ایمان کے کمال کا سبب ہوگا، لہذا متقی کو خطرات جتنقدر زیادہ اور نامناسب ہوں گے، اس کی ایمان کی تکمیل اسی قدر زیادہ ہوگی، کیونکہ کمالی ایمان کا تقاضہ ہے کہ تمام لطائف کو لاطیفۃ قلب کے ساتھ کامل بے مناسبتی ہو، اور یہ بے مناسبتی جتنقدر زیادہ ہوگی، قلب اسی قدر زیادہ خالی اور ظلمت و کدورت سے زیادہ نزدیک ہوگا اور اس میں خطرات و سوسمانی اسی قدر زیادہ ہوں گے، بخلاف مبتدی اور متوسط کے کان کے لئے اس قسم کے خطرات زبر قاتل اور باطنی مرض کی زیادتی کا ذریعہ ہیں۔ **فَلَا تَكُنْ مِنَ الظَّاهِرِينَ** (پس تو (ہمارے کلام کے سمجھنے میں) قصور کرنے والوں میں سے نہ ہو) یہ معرفت اس نقیر کے دلیل معارف میں سے ہے۔  
(مکتب ۱۸۳ دفتر اول)

## تشريع

حضرت مجدد کے بیان کردہ اس نکتہ کو تو صاحبان معرفت ہی صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ البتہ عاجز کی نظر میں اس مکتب میں متقی کے جن وسوسوں اور خطرات کا ذکر فرمایا گیا ہے، وہ وسوسمانی احساسات کی نوعیت کے ہوتے ہیں، متقی اللہ سے قرب کے جس مقام پر فائز ہوتا ہے، اس مقام پر اسے معمولی وسوسہ و خطرہ بھی کمال ایمان کے منافی محسوس ہوتا ہے۔ حالانکہ بشری تقاضے ایسے ہوتے ہیں، جو فرد کے ساتھ ہر صورت میں باقی رہتے ہیں، لیکن متقی کی محبوب حقیقی سے واپسی اس نوعیت کی ہوتی ہے کہ اس کی چاہت ہوتی ہے کہ شب دروز میں محبوب کے ساتھ غیر کی معمولی شرکت بھی موجود نہ ہو، جب ایسا نہیں ہوتا اور غیروں کے وسوسمانی حد تک شامل ہو جاتے ہیں تو متقی شدید اذیت محسوس کرتا ہے۔ اور شدت احساس کی وجہ سے وہ اسے محبوب سے دوئی سمجھنے لگتا ہے۔

متقی کی یہی ادا محبوب کو پسند ہے۔ جب کہ مبتدی کے وسوسمانی نفس پرستی کی قوتوں کے غلبہ کی وجہ ہوتے ہیں۔ حضرت مجدد نے یہاں جو نکتہ بیان فرمایا ہے، وہ ان کے خاص معارف میں سے ہے۔ (مرتب)

## قلیل زندگی کو ابدی زندگی کی

## راحت کے لئے استعمال کرنا

میرے مخدوم! دنیا کی بقا کی مدت بہت قلیل ہے اور اس قلیل میں سے بھی بہت کچھ تلف ہو چکی ہے اور باقی بہت تھوڑی عمر باقی رہ گئی ہے، اور آخرت کی زندگی دائی ہے، اور دائی زندگی کو چند روزہ زندگی کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے، اس کے بعد یا تو دائی نعمتیں ہیں یا ہمیشہ کا عذاب۔ مخبر صادق (علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو خبر دی ہے (وہ بچ ہے) اس میں کسی احتمال کی کوئی گنجائش نہیں، لہذا عقل دوراندیش سے کام لینا چاہئے۔

میرے مخدوم! عمر کا بہترین حصہ ہوا وہ ہوں میں گذر گیا اور وہ اللہ جل شانہ کے دشمنوں (نفس وشیطان) کی مرضی کے مطابق بسر ہو گیا، اب عمر کا نکما حصہ باقی رہ گیا ہے، اگر آج ہم اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے مطابق صرف نہ کریں اور بہترین عمر کی غفلتوں کا تدارک باقی نکنی و ضعیف عمر (میں عبادات) سے نہ کریں اور تھوڑی سی محنت اور تکلیف کو دائیٰ راحت کا ذریعہ نہ بنائیں اور تھوڑی سی نیکیوں سے بہت سے گناہوں کا کفارہ نہ کریں تو کل قیامت میں حق سماجہ و تعالیٰ کے حضور میں کس منہ سے پیش ہوں گے اور اس کے سامنے کون سے حیلے اور بہانے کو پیش کریں گے، آخر خواب خرگوش میں کب تک پڑے رہیں گے اور غفلت کی روئی کب تک کانوں میں ٹھسی رہے گی، آخر ایک دن آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا جائے گا اور غفلت کی روئی کو کانوں سے ڈور کر دیا جائے گا، لیکن اس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا اور حسرت و ندامت کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔ موت کے آنے سے پہلے ہی تیاری کر لینی چاہئے اور ”وائے شوق“ کہتے ہوئے جان دینی چاہئے۔ (مکتب ۲۱۰)

### تشريع

آخرت کی دائیٰ زندگی کی بہتری سے غفلت اور دنیا میں انہاک، یہ انسان کا سب سے بڑا الیہ ہے۔ دولت و دنیا انسانی نفیات میں اس طرح رج بس گئی ہے کہ عام طور پر بڑے سے بڑا واقعہ بھی فرد و افراد کو اس غفلت سے نکال کر آخرت کی تیاری کی طرف لانے کا ذریعہ نہیں بنتا۔ اہل اللہ، افراد کو ہر طرح سے بھنجھوڑنے اور بیدار کرنے کے لئے کوشش ہوتے ہیں۔ اس مکتب میں بھی اس سلسلہ میں ہمیں مؤثر طور پر بھنجھوڑنے کی کوشش فرمائی گئی ہے۔ مرتب)

غبیٰ صورتوں و شکلوں کے مشاہدہ  
کا لہو ولعب میں شامل ہونا

سب سے پہلے عقائد کا درست کرنا ضروری ہے، دین کی ضروریات کے بارے میں جو کچھ امت کے تواتر کے ساتھ معلوم ہوا ہے اس کی تصدیق کے بغیر

چارہ کار نہیں ہے، دوسرے ان باتوں کا علم ضروری ہے، جن کا تعلق علم فقه سے ہے اور تیسرے طریقہ راہ سلوک بھی ضروری ہے، لیکن اس غرض کے لئے نہیں کہ غبیٰ صورتیں اور شکلیں مشاہدہ ہوں اور طرح طرح کے انوار اور رنگوں کا معاشرہ ہو، کیونکہ یہ سب لہو ولعب میں داخل ہیں کیا حسی صورتیں اور انوار کم ہیں کہ کوئی شخص ان کو چھوڑ کر ریاضتوں اور مجہدوں کے ذریعے غبیٰ صورتوں اور انوار کی ہوس کرے، حالانکہ یہ (حسی) صورتیں اور انوار اور وہ (غبیٰ) صورتیں اور انوار، دونوں حق سماجہ و تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور وہ حق تعالیٰ کے صانع ہونے پر روش دلیلیں ہیں، سورج اور چاند کا نور جو کہ عالم مشاہدہ سے ہے اور طرح طرح کے ان انوار سے مزین ہے، جو عالم مثال میں نظر آتا ہے، اس سے کئی درجے افضل ہے، لیکن چونکہ یہ (سورج اور چاند کے نور کا) دیکھنا دائیٰ ہے اور خاص و عام سب اس (کے دیکھنے) میں شریک ہیں، اس لئے اس کو نظر اعتبار سے گرا کر انوار غبیٰ کی خواہش میں لگ جاتے ہیں۔

آبے کہ رو دپیش درت تیرہ نماید      (تمہارے درپہ جو پانی بھے سیاہ نہیں)  
(مکتب ۲۱۰)

### تشريح

غبیٰ صورتوں کی آرزو کرنا، نہیں اہم سمجھنا، اپنے حلقہ سے وابستہ افراد کی انہی خطوط پر ترتیب کرنا، نہیں بزرگی کا معیار قرار دینا، ہر مجلس میں ہر اپنے کر اپنی یا اپنے بزرگوں کی ان چیزوں کا ذکر کرتے رہنا، اس مکتب میں ان ساری چیزوں کی نفی کی گئی ہے۔ مرتب)

اصل مقصود شریعت ہے  
احوال و کیفیات کوئی حیثیت نہیں رکھتے

اور اس فقیر کا یقین ہے کہ تصوف، حقیقت میں علوم شرعیہ کا خادم ہے، نہ کہ

شریعت کے خلاف کوئی چیز (میں نے) اپنے رسائل و کتابوں میں اس کی تحقیق لکھی ہے، شریعت میں کامل عمل کو حاصل کرنے کے لئے نقشبندیہ کا طریقہ اختیار کرنا دوسرے طریقوں سے زیادہ بہتر ہے، کیونکہ ان بزرگوں نے سنت کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا ہے اور بدعت سے بچنے پر زور ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر ان کو متابعت کی دولت حاصل ہو جائے اور احوال کچھ بھی حاصل نہ ہوں تو خوش ہیں، اور اگر احوال حاصل ہونے کے باوجود اتباع میں کمی ہو تو یہ احوال ان کی نظر میں ناپسندیدہ ہیں۔

حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سره نے فرمایا ہے کہ ”اگر سارے احوال و کیفیات ہمیں دیدیئے جائیں اور ہماری حقیقت کو اہل سنت و جماعت کے اعتقادات سے نہ نوازیں تو ہمارے لئے خرابی کے سوا کچھ نہیں، اور اگر اہل سنت و جماعت کے اعتقادات ہمیں عطا کردیئے جائیں اور حال و احوال سے ہمیں کچھ نہ ملے تو اس صورت میں کچھ غم نہیں ہے۔“ (ایضا)

### تشریح

نقشبندی سلسلہ کے امام کا بیان کردہ یہ نکتہ کہ کیفیات، اور کشف وغیرہ اعمال میں استقامت کے مقابلہ میں کسی اہمیت کے حامل نہیں ہیں، اصل چیز اعمال صالحہ کی استعداد کا حاصل ہونا ہے، اگر یہ نہیں ہے تو چاہے کشف و کیفیات کتنی ہی حاصل ہو، لا حاصل ہے۔ اتباع سنت اور اعمال صالحہ کی فکر دامنگیر ہونی چاہئے۔ مریدوں کی ذہن سازی میں بھی کیفیات، کشف اور خوابوں کی بجائے اعمال صالحہ کو اہمیت دینی چاہے، ورنہ تصوف، شریعت سے جدا گانہ حیثیت اختیار کر کے، کیفیات اور کشف وغیرہ کا نام بن کر رہ جائے گا۔ صدیوں سے جاہل صوفیوں نے شریعت کے مقابلہ میں اس طرح کے تصوف، جس میں اسلامی پابندی نہ ہو، محض کیفیات اور مشاہدے وغیرہ کی باتیں ہوں، ان کو فروغ دیا ہے۔ اکابر اہل اللہ نے صوفیائے خام کی ان کوششوں کو ہر دور میں ناکام بنایا ہے۔ مرتب)

### قیمتی وقت کا ضیاء

دونوں جہانوں کی حسرت کا موجب ہونا

مبارک ہے، وہ شخص جس کو حق سبحانہ و تعالیٰ نے نیکی کا مظہر بنایا، حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا ہے، وہ شخص بہت ہی بدنصیب ہے، جو سب کا سب تیج کھا جائے اور استعداد کی زمین میں نہ ڈالے، اور ایک دانے سے سات سو دانے نہ بنائے اور قیامت کے دن کے لئے (جس دن) بھائی بھائی سے بھاگے گا اور ماں بیٹی کی خبر نہ لے گی، کچھ ذخیرہ نہ کرے، ایسے شخص کو دنیا و آخرت کے خسارہ کے علاوہ کچھ حاصل نہیں اور دونوں جہانوں کی حسرت و شرمندگی کے سوا کچھ فائدہ نہیں، نیک بخت، دنیا کی فرصت کو غنیمت سمجھتے ہیں، اس غرض کے لئے نہیں کہ اس مہلت زندگی میں مختلف نعمتیں اور لذتیں حاصل ہوں جو غیر معمولی تکلیفوں اور محنتوں سے حاصل ہونے کے باوجود ناپائیدار اور فانی ہیں، بلکہ اس فرصت میں (نیکی کی) کھیتی کا کام کرنا چاہئے اور نیک عمل کے ایک دانے سے آیت کریمہ۔

**وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ:** (بقرہ ۲۶۱ آیت) (اور اللہ تعالیٰ کئی گناہوں پر ہا دیتا ہے جس کے لئے وہ چاہتا ہے) کے بوجب بے انہا نیکیوں کے ثرات حاصل کرنے چاہئے یہی وجہ ہے کہ چند روزہ نیک اعمال کی جزا میں دائیٰ نعمتیں مقرر فرمادی ہیں۔ **وَاللَّهُ أَنْوَعُ الْفَضْلَ الْعَظِيمِ.** (جمہ ۲۲ آیت) (اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔ (مکتب ۲۱۳)

### بزرگی کا کمال کشف وغیرہ سے وابستہ نہیں

ولایت سے مراد فنا و بقا ہے، اور کرامتیں اور کشف خواہ کم ہو یا زیادہ، وہ فنا و بقا کے لوازم میں سے ہیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جس سے کرامتیں زیادہ ظاہر ہوں، اس کی ولایت بھی تمام و کامل ہو، بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ (کسی بزرگ سے) کرامتیں بہت کم ظاہر ہوتی ہیں، جب کہ اس کی ولایت اکمل ہوتی ہے اور

کرامتوں کے بکثرت ظاہر ہونے کا مدار دو چیزوں پر ہے: عروج کے وقت میں بہت زیادہ عروج کرنا، اور نزول کے وقت میں بہت کم نیچے آرنا۔ بلکہ کثرت کرامات کے ظہور میں کلیہ قاعدہ بہت کم نزول کرنا ہے، خواہ وہ عروج کی جانب کسی بھی کیفیت سے ہو، کیونکہ صاحب نزول، عالم اسباب میں اُرتتا ہے اور وہ اشیاء کے وجود کو اسباب سے وابستہ پاتا ہے اور مسبب الاسباب کے فعل کو اسباب کے پردے کے پیچھے دیکھتا ہے۔ جس شخص نے نزول نہیں کیا اور نزول کے اسباب تک نہیں پہنچا، اس کی نظر صرف مسبب الاسباب کے فعل پر ہے، کیونکہ (مسبب الاسباب کے فعل پر اس کی نظر ہونے کے باعث) اس کی نظر سے سارے اسباب اٹھ گئے ہیں، پس حق سمجھانہ و تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کے ظن کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔ اسباب کو دیکھنے والے کام اسباب پر ڈال دیتا ہے اور جو اسباب کو نہیں دیکھتا، اس کا کام بغیر ویلے کے مہیا کر دیتا ہے۔ حدیث قدسی انا عند ظن عبدي بی اس مطلب پر دلیل ہے۔ (مکتب ۲۱۶)

### تشريع

اس مکتب میں یہ بات بتائی گئی کہ جس سے زیادہ کرامتوں صادر ہوں، وہ ہر صورت میں کامل و تمام بزرگ نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات وہ منتهی صوفی کامل ہوتا ہے جس سے کرامتوں بہت کم صادر ہوتی ہیں۔ زیادہ کرامتوں کے صدور کا ایک سبب یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ عروج کے وقت میں بہت عروج کرنا اور نزول کے وقت میں کم نزول کرنا ہے۔ یعنی صوفی پر حالت استغراق اتنی غالب ہو کہ حالت صحو میں آنے کے باوجود استغراق کے اثرات غالب ہوں، اس استغراق کی وجہ سے ان سے عقل سے ماری چیزیں اور کرامات وغیرہ صادر ہوتی ہیں، اہل اللہ کی کرامات حق ہیں۔ اللہ نے بڑے بڑے بزرگوں کی روحوں سے بڑا کام لیا ہے۔ لیکن ان چیزوں کا مقصود سے تعلق نہیں، مقصود، دین پر استقامت کا حاصل ہونا ہے۔ مرتب)

## خواجہ حسن بصری اور حبیب عجمی قدس سرہما کا معاملہ

خواجہ حسن بصری اور حبیب عجمی قدس سرہما کی حکایت اس مقام کے مناسب ہے: مقول ہے کہ ایک روز خواجہ حسن بصری<sup>ؒ</sup> دریا کے کنارے کھڑے ہوئے کشتنی کا انتظار کر رہے تھے، تاکہ دریا سے پار ہوں، اسی اثناء میں حبیب عجمی<sup>ؒ</sup> بھی آنکھ اور پوچھا کہ آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ فرمایا، کشتنی کا انتظار ہے، حبیب عجمی<sup>ؒ</sup> نے کہا، کیا کشتنی کی کیا حاجت ہے، کیا آپ کو یقین نہیں ہے؟ خواجہ حسن بصری<sup>ؒ</sup> نے کہا، کیا آپ کو علم نہیں ہے۔ غرض کہ حبیب عجمی<sup>ؒ</sup> کشتنی کے بغیر دریا سے گزر گئے اور خواجہ حسن بصری کشتنی کے انتظار میں کھڑے رہے، خواجہ حسن بصری<sup>ؒ</sup> نے چونکہ عالم اسباب میں نزول کیا ہوا تھا، اس لئے (کارکنان قضا و قدر) ان کے ساتھ اسباب کے ویلے سے معاملہ فرماتے تھے، اور حبیب عجمی<sup>ؒ</sup> نے چونکہ پورے طور پر اسباب کو نظر انداز کر دیا تھا، اس لئے کارکنان قضا و قدر کا ان کے ساتھ اسباب کے بغیر معاملہ تھا۔ لیکن فضیلت حضرت خواجہ حسن بصری<sup>ؒ</sup> کے لئے ہے، جو صاحب علم میں اور جنہوں نے عین یقین کو علم یقین کے ساتھ جمع کر لیا ہے اور اشیا کو جیسی کہ وہ ہیں سمجھ لیا ہے اس لئے کہ قدرت کی اصل حقیقت کو حکمت میں پوشیدہ رکھا گیا ہے، حبیب عجمی<sup>ؒ</sup> صاحب سکر ہیں اور فاعل حقیقی پر ایک ایسا یقین رکھتے ہیں، جس میں اسباب کا کچھ دخل نہیں ہے۔ (مکتب ۲۱۶)

### تشريع

اس مکتب میں ایک اہم نکتہ بیان فرمایا گیا ہے، وہ یہ کہ متوسط صوفی یا حالت استغراق کا حامل صوفی چونکہ نفس سے جگبات ہٹا کر محظوظ سے قرب کے مقامات طے کرنے کی راہ پر گامزن ہوتا ہے، نیز اسے محظوظ کی فکر کے علاوہ کوئی فکر دامنگیر نہیں ہوتی، ذکر ہی اس کا وظیفہ حیات ہوجاتا ہے، اس لئے حالت سکر کے حامل صوفی سے

اسباب کے پر دے ہٹا دیئے جاتے ہیں، دنیا کے حوالے سے اس کے ضروری کام ظاہری اسباب کے بغیر ہی کرا دیئے جاتے ہیں، جو صوفی شب و روز محبوب کے غم و فکر میں غلطان ہو، اور محبوب کے وصال کے لئے تڑپنے کے لئے علاوه اس کی کوئی صرفیت نہ ہو، ایسے صوفی کو اسباب سے ماوری کرنا، یہ محبوب کی خاص ادا ہے، جو لگ بھگ ہر مستغرق صوفی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کی روزی کا خصوصی اہتمام ہوتا ہے، اس کے وقت علم میں برکت ہوتی ہے۔ مرتب)

### ولیاء کی صورتوں کا سامنے

#### آن اور اس کی نوعیت

یہاں ایک نکتہ ہے، جس کو ذہن نہیں کرنا نہایت ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ جس طرح ولایت حاصل ہونے میں ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کسی ولی سے اس کرامتوں نقل کرتے ہیں (حالانکہ) اس کو ان کرامتوں کی نسبت بالکل اطلاع نہیں ہوتی اور وہ ولیاء، جو صاحب علم و کشف ہیں، ہو سکتا ہے کہ ان کو بھی اپنی بعض کرامتوں پر اطلاع حاصل نہ ہو، بلکہ ان کی مثلی صورتوں کو کارکنان قضا و قدر متعدد مقامات پر ظاہر کر دیں اور دور دراز مقامات پر عجیب و غریب چیزیں ان کی صورتوں سے ظہور میں لائیں کہ جن کی ان صاحب صورت (ولیاء کو) ہرگز اطلاع نہ ہو۔

ازما و شما بہانہ بر ساختہ اند (بہانہ ہم سے تم سے ہے بنا یا)

حضرت خواجه باقی بالله قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ کہتے تھے کہ عجیب معاملہ ہے کہ لوگ اطراف و جوانب سے (بیرے پاس) آتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو حج کے موقعہ پر مکہ معظمه میں دیکھا ہے بلکہ ہم نے آپ کے ساتھ مل کر حج کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بغداد میں دیکھا تھا اور اپنی دوستی کا اظہار کرتے ہیں، حالانکہ میں اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا ہوں اور نہ ہی کبھی ان لوگوں کو دیکھا ہے۔ لکھنی بڑی تھمت ہے، جو ناحق مجھ پر لگاتے ہیں۔ واللہ

اعلم بحقائق الامور کلہا (سب کاموں کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں) اس سے زیادہ لکھنا طول کلامی ہے۔ ہاں، اگر آپ کی طلب اور پیاس زیادہ معلوم ہوئی تو بہت جلد اور اس سے زیادہ لکھا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ (مکتب ۲۱۷)

### غیروں سے آزادی کے بغیر فنا کے مقام کا حاصل نہ ہونا

اللہ کا شکر ہے کہ وہ اپنے طالبوں کو اپنی طلب میں بیقرار و بے آرام رکھتا ہے اور اس بے آرامی میں اس آرام سے نجات بخشتا ہے، جو اس کے غیر کے ساتھ میسر ہو۔ مگر (سالک کو) پوری آزادی، اس وقت حاصل ہوتی ہے جب فائے کلی کی غلامی سے آزادی حاصل ہو، اور وہ دل کے آئینہ سے اللہ کے ماسوئی کے نقوش بالکل محوكر دے کسی چیز سے بھی علمی و جی، تعلق نہ رہے، اور سوائے اللہ تعالیٰ کے اس کا کوئی مقصود و مطلوب نہ ہو۔ اس کے بغیر ایسا ہے، جیسا کہ خاردار درخت میں الجنا فرد اگرچہ غیروں سے اپنی بے تلقی کا گمان رکھے، مگر محض اس پر گمان ہے، اس کا حقیقت سے تعلق نہیں۔

ایں کا ر دولت است کنوں تا کر ارسد

(جو شخص احوال و مقامات میں گرفتار ہے، وہ بھی ”گرفتار غیر“ ہے، اور باقتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے)۔ (مکتب ۵۳ دفتر اول)

### تشريح

اس مکتب میں راہ سلوک کا اہم اصول بیان کیا گیا ہے، وہ یہ کہ جب تک قلب سے دنیا کے حوالے سے سارے نقوش محونہ ہو جائیں اور اللہ کی محبت کا رنگ پوری طرح غالب آ کر، نفس کی قوتوں کو فنا نہ کر دے، اس وقت تک سالک کا کام تمام نہیں ہوتا اور اس کا سلوک طے نہیں ہوتا، نیز اس کی نفسی قوتوں کی سرکشی موجود رہتی ہے۔ فنا کے اس مقام تک رسائی کے لئے دل اور ذہن سے سارے نقوش کو

شیریں اور روح کے لئے لذت بخش ہیں۔ جسم و روح آپس میں ایک دوسرے کی مخالف اور ضد ہیں، ایک کی تکلیف دوسرے کے لیے لذت ہوتی ہے۔ جو پست فطرت افراد ان دونوں ضدوں اور ان کی ضروریات میں تمیز نہیں کر سکتے، وہ بحث سے خارج ہیں اور گنگو کے لائق نہیں ہے۔ **اُوكِٹ گالانفام بَلْ هُمْ أَعْصَل** (یہ لوگ چوپاؤں کی مانند ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گذرے)۔

آ کہ از خویشن چونیست جنین چہ خبردار داز چنان وجنین  
(جو بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں ہے اور اپنے وجود سے بھی واقف نہیں ہے وہ چنان اور پنین کو کیا جانے؟)

جس کی روح نیچے اتر کر مرتبہ جسم میں آجائے، وہ اس نکتہ کو کیا سمجھ سکے گا، جب تک روح اپنے اصلی ٹھکانے کی طرف رجوع نہ ہو، اس وقت تک معرفت کا جمال جلوہ گرنے ہوگا۔ یہ دولت، اس موت کے ساتھ وابستہ ہے، جو جسمانی موت کے آنے سے پہلے واقع ہوتی ہے۔ مشائخ طریقت اس حالت کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں۔

خاک شوخار کتاب رویدگل کہ بجز خاک نیست مظہر کل  
(تو خاک ہو جا، خاک، تاکہ پھول پیدا ہوں، خاک کے علاوہ کوئی چیز مظہر کل نہیں ہے)۔

اور جو مرنے سے پہلے فنا کے مقام تک نہ پہنچا، اس کو مصیبت زدہ سمجھنا چاہئے اور اس کی ماتم پری کرنا چاہئے ..... (چند سطور کے بعد لکھتے ہیں) نصیحت یہ ہے کہ ذکر ہمیشہ کرتے رہو، فقر (دین) کو لازم رکھو۔ مہلت تھوڑی سی ہے، بہتر ہے کہ اس کو ضروری کاموں میں صرف کیا جائے۔ (مکتب ۱۵۹ دفتر اول بام شرف الدین حسین)

### تشریح

اس مکتب میں جو نکتہ بیان ہوا ہے وہ بہت اہم ہے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ جو

مٹا کر، مکمل طور پر یکسو ہونا، اور ذکر سے اپنے رشتہ کو مستحکم کرنا اور ہمہ وقت محبوب حقیقی کی طرف متوجہ رہنا ضروری ہے، دوسرا صورت میں طالب، حالت فنا میں غوطہ زن رہے گا اور اس کے لئے حالت بقا میں آنا ممکن نہ ہوگا اور حالت بقا میں آئے بغیر طالب دوسروں کی تربیت کا کام ہاتھ میں نہیں لے سکتا۔

یہ اصول انہی سالکوں کے ساتھ لا گو ہے، جن سے اللہ کو دوسروں کی تربیت کا کام لینا مقصود ہے اور عام افراد پر یہ اصول لا گو نہیں ہوتا، ان کے لئے روزانہ ایک دیڑھ گھنٹے کا ذکر اور صحبت کا اہتمام کافی ہے، ایک عرصہ تک اس اہتمام سے ان شاء اللہ ان کی بہتر اصلاح کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ اگرچہ وہ دوسروں کی تربیت کے مقام پر فائز نہ ہو سکیں گے، اس لئے کہ اس مقام پر فائز ہونے کے لئے عبوری عرصہ کے لئے (یہ عبوری عرصہ بعض طالبوں کے لئے پندرہ بیس سال تک کا ہوتا ہے) سالکوں کو سارے کاموں سے یکسو ہو کر مجاہدوں میں مصروف ہونا پڑتا ہے۔ اس کے بغیر فرد و افراد کو نفس پرستی کی قتوں کا نہ تو مشاہدہ ہوتا ہے اور نہ ہی ان کے مکر و فریب سے پوری طرح بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت مجدد کا بیان کردہ یہ اصولی نکتہ ایسا ہے، جس پر سارے سلسلوں کے اکابر بزرگوں کا اجماع ہے، سارے اکابر بزرگ، فنا کے ان حالات سے گذر کر ہی حالت بقا میں آئے ہیں۔ موجودہ دور میں اکابر بزرگوں کے اس بنیادی اصول کو نظر انداز کر کے، خلافتیں عطا فرمانے کا جو رجحان بڑھا ہے، اس نے تصوف و اہل تصوف سے اس کی روح نکال دی ہے، اس لئے کہ فنا کے ان مقامات سے گذرے بغیر نہ تو حب جاہ و حب مال اور خودنمایی جیسے جذبات و تقاضوں کی تہذیب ہو سکتی ہے اور نہ ہی انسانیت کے آداب سے بہرہ وری ہو سکتی ہے۔ (مرتب)

جو مقام فنا تک نہ پہنچا

اس کا مصیبت زدہ ہونا

اگرچہ رنج و مصیبتوں بظاہر تلخ اور جسم کو تکلیف دینے والی ہوتی ہیں، لیکن باطن

مرنے سے پہلے مقام فنا تک نہ پہنچا، وہ قابل رحم ہے، اس کی ماتم پرسی کرنی چاہئے، اس لئے کہ ایسا شخص خواہشات نفس سے بچ سکے، مشکل ہے۔ اس پر نفس پرستی کی قوتیں یکے بعد دیگرے جملہ آور ہوتی رہتی ہیں اور وہ جنگل نفس میں موجود درندوں کا شکار رہتا ہے اور غم روزگار اور مسائل دنیا کے تفکرات سے اسے نجات ملتا ممکن نہیں۔

حالت بقا میں آئے بغیر، نفس پر روح کی لطافتیں غالب نہیں آسکتی۔ روح کی حیات، نفسی قوتیں کی موت (جسے اصطلاح میں فنا کہتے ہیں) سے وابستہ ہے، فنا کا یہ مقام ذکر کے مسلسل اهتمام کے ذریعہ، قلب کو رگڑتے رہنے اور اللہ کے انوار حسن سے سرشار کرتے رہنے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے، اس فنا کے مقام تک رسائی سے پہلے سالک کا قلب مذوجزر اور بے پناہ تغیرات کی زد میں رہتا ہے، اور نفس پرستی کی قوتیں کے مسلسل حمولوں سے آئے دن اس پر ماتم کا حشر برپا رہتا ہے۔ اکابر بزرگوں کے ہاں فنائے نفس کے ان سارے مرحلے گذرے بغیر خلافت دینے کا تصور بھی نہیں تھا۔ (مرتب)

### خدا سے دوری کی صورت میں

#### نعمتوں کا آزمائش ہونا

(اللہ نے ان کفار پر ظلم نہیں کیا، وہ ہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں)۔ سورج کی گرمی دھوپی اور کپڑے پر یکساں پڑتی ہے، لیکن دھوپی کا چہرہ سیاہ اور کپڑا سفید ہو جاتا ہے۔ عدم قبول اس بنا پر ہوتا ہے کہ اللہ کی بارگاہ سے دوری ہے، اور جو دوری واعراض اختیار کرتا ہے اس کے لیے نعمت سے محرومی ضروری ہے۔ اس موقع پر کوئی یہ نہ کہہ بیٹھے کہ بہت سے بغاوت کرنے والے ایسے ہیں کہ وہ دنیاوی نعمتوں سے بہرہ در ہیں اور ان کی یہ بغاوت، نعمتوں سے محرومی کا سبب نہیں ہے، واضح رہے کہ یہ ایک قسم کا عذاب ہے، جو نعمت کی صورت میں استدرج کے طور پر ظاہر کیا جاتا ہے (اعراض کرنے والے کی تباہی کے لیے) تاکہ وہ انکار و ضلالت میں برابر منہمک رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **إِنَّهُ سَبُّونَ الْأَمَانَةَ مُهْمَّ بِهِ مِنْ مَالٍ وَبَيْتِنَ نُسَارُهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ** (کیا وہ منکرین یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو کچھ ان کو دئے جارہے

ہیں مال اور اولاد سے تو ان کے حق میں اچھائی کر رہے ہیں بلکہ وہ جانتے ہی نہیں)۔ پس دنیا اور دنیا کی نعمتوں خدا سے دوری کے ہوتے ہوئے خرابی اور بربادی ہیں۔ الخذر، الخذر۔ (مکتب ۱۲۳ اول بنام حافظ بہاؤ الدین)

### تشريح

مال و مناصب کے ذریعہ سب سے بڑی آزمائش یہ ہوتی ہے کہ ایک تو مال و مناصب کی مصروفیات، ذکر و عبادت سے غافل کرنے کا ذریعہ نہیں ہیں۔ دوسرا یہ کہ اس سے حب مال و حب جاہ پیدا ہونے کے خطرات لاحق ہو جاتے ہیں۔ جب دولت و مناصب سے یہ صورتحال پیدا ہو تو سمجھنا چاہئے کہ فرد و افراد کے لئے یہ نعمتوں آزمائش کا موجب ہیں، انسانی نفیات اور معاشرہ کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ دنیا کی نعمتوں کا راستہ کھلنے اور دولت کے دروازے وا ہونے کے بعد بہت کم افراد ہیں جو شکر گذاری کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اس طرح دولت اور دنیاوی نعمتوں عام طور پر افراد کے لئے آزمائش کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ (مرتب)

### کمال محبت کی علامت

#### شریعت کے مخالفوں سے عداوت کا ہونا

اللہ تعالیٰ آپ کو نبی امی صلوات اللہ علیہ و آله و سلیمان کی میراث معنوی سے مشرف کرے، جیسا کہ اس نے ظاہری میراث صوری عطا فرمائی ہے۔ آنحضرت صلوات اللہ علیہ و آله و سلیمان کی میراث صوری عالمِ خلق سے تعلق رکھتی ہے اور میراث معنوی عالمِ امر سے ہے، کہ وہاں سراسرا ایمان و معرفت اور رشدہدایت ہے، ظاہری میراث کی نعمت عظیمی کا شکر، یہ ہے کہ حقیقی میراث سے مزین ہو جائیں، اور حقیقی میراث سے مزین ہونا کمال اتباعِ مصطفویٰ کے بغیر میسر نہیں ہو سکتا، لہذا آپ پر اتباعِ رسولؐ اور اطاعتِ رسولؐ اور مروناہی لازم و واجب ہے۔ کمال اتباع، کمال محبت آنحضرت صلوات اللہ علیہ و آله و سلیمان کی فرع ہے۔ ان المحب لمن ہواه مطبع۔ (محبت جس سے محبت کرتا ہے اس کا تالیع ہوتا ہے) اور کمال محبت کی علامت یہ ہے کہ آنحضرت صلوات اللہ علیہ و آله و سلیمان کے دشمنوں سے کمال بغض اور مخالفان شریعت سے

اظہار عداوت ہو۔ محبت میں سُستی کی کوئی گنجائش نہیں۔ مُحب، محبوب کا دیوانہ ہوتا ہے۔ محبوب کی مخالفت کی تاب نہیں رکھتا، اور وہ محبوب کے مخالفوں سے کسی طرح صلح نہیں کرتا۔ دو مخالف صحیتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ جمع ضدین کو محال کہا گیا ہے۔ اچھی طرح غور کرنا چاہئے۔ ابھی کام ہاتھ سے نہیں گیا ہے۔ گذرے ہوئے زمانہ کی تلافی کی جاسکتی ہے۔ کل کو جبکہ کام ہاتھ سے جاتا رہے گا سوائے ندامت کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

**بوقتِ صحیح شود ہبھو روز معلومت** کہ باکہ باختیہ عشق در شبِ دیجور (دنیا، کام و متناع فریب در فریب ہے اور معاملہ آخری ابدی اسی پر مرتب ہے)۔

اگر یہ چند روزہ زندگی سید اولین و آخرین ﷺ کی متابعت میں بسر کی جائے تو ابدی زندگی میں نجات کی امید ہے، ورنہ کوئی بھی عمل خیر ہو، ان کی متابعت کے بغیر وہ یقین دریج ہے۔

**محمد عربی کا بروئے ہر دوسراست** کے کھاک درش نیست خاک بر سراو (حضرت محمد ﷺ جو کہ دونوں جہاں کلیتے سرمایہ آبرو ہیں، اگر کوئی ان کے در کی خاک نہیں ہوا تو اس کے سر پر خاک)۔

اطاعت رسولؐ کی دولتِ عظمی کا حصول، دنیا کو کلیتہ ترک کر دینے پر وابستہ نہیں ہے کہ دشوار معلوم ہو۔ بلکہ اگر زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے تو یہ بھی عدم وصول مضرت کے لحاظ سے ترک گل ہی کا حکم رکھتی ہے۔ اس لیے کہ جس مال کی زکوٰۃ دے دی گئی ہے، وہ مال ضرر و نقصان سے نکل گیا۔ پس مال دنیاوی کے ضرر کا علاج اس مال سے زکوٰۃ کا نکالنا ہے۔ اگرچہ ترکِ کلی اول و افضل ہے، مگر ادا یگی زکوٰۃ بھی کام، ترکِ کلی کا ہی کرتی ہے۔

آسام نسبت بعرش آمد فرود  
ورنه بس عالیست پیش خاک تود  
(آنحضرت ﷺ) تک پہنچاتا ہے یہی ہے  
اگر یہ را نہ چلی گئی تو ان تک پہنچانا دشوار ہے۔)

كيف الوصول الى سعاد و دونها  
قلل الجبال و دونهن خوف  
(یعنی محبوب تک کس طرح پہنچ ہو، جبکہ اس کی راہ میں پہاڑوں کی چوٹیاں  
حاصل ہیں، اور ان سے پہلے موئیں اور ہونا کیاں ہیں)۔ (مکتب ۱۲۵ دفتر اول  
بِنَامِ شَفَّعْ فَرِيدْ بَخَارِي)

### تشريح

اس مکتب میں اطاعت رسول پر زور ہے اور کمال محبت کی علامت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور دین کے مخالفوں کے بارے میں حساسیت موجود ہو، حمیت دین ہی محبت کی سب سے بڑی علامت ہے اگر حمیت دین نہیں ہے۔ دین کے مٹانے والوں کے خلاف نفرت اور دین کے تحفظ کے لئے فکرمندی موجود نہیں ہے تو یہ محبت کے سراسر منافی ہے، موجودہ دور میں دین اور دینی اقدار کو مٹانے کے لئے عالمی سطح سے لے کر مقامی سطح تک کفر اور سیکولر قوتیں جس طرح کوشش ہیں، ان کی کوششوں کو ناکام بنانے کی کاوش اور فکرمندی کا نہ ہونا یہ دین کے علمبرداروں کے لئے سخت نازیبا ہے۔ (مرتب)

### مرض قلبی

کو ذکر کثیر کے ذریعہ دور کرنا

مندو ما! اپنے نفس کے منافع کے لیے کب تک سرگرم رہا جائے گا؟ خود کو اور سب حقوق کو مردہ اور بے حس و حرکت سمجھنا چاہئے۔ **إِنَّكُمْ مُتَّهِمُونَ** (یقیناً آپ اے رسولؐ وصال پائیں گے اور بیشک یہ لوگ بھی انتقال کریں گے)۔ یہ نص قاطع ہے۔

علاوه ازیں اس تھوڑی سی فرصت میں کثیر ذکر کے ذریعہ قلبی مرض کے دور کرنے کی فکر کرنا اہم مقاصد میں سے ہے۔ جو دل غیر میں گرفتار ہے، اس سے خیر کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ جو روح دنیا کی طرف مائل ہو، اس سے تو نفس امارہ بہتر

ہے۔ اللہ کے یہاں قلب کی سلامتی، قلب اور روح کی نفس سے خلاصی مطلوب ہے۔ اور ہم کوتاہ اندریش سراسر ”روح و قلب“ کے اسباب گرفتاری کی تحریک میں بنتا ہیں۔ ہبہات ہبہات۔ کیا کیا جائے، وَمَا ظلَمْهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ - (مکتب ۱۶۶ دفتر اول بنام مولانا محمد امین)

### تشريع

عام طور پر ہر شخص کی حالت یہ ہے کہ وہ زندگی بھر نفس کو آسانیش فراہم کرنے میں اپنی توانائیاں صرف کرنے لگتا ہے اور ذکر کثیر کے ذریعہ قلبی امراض کے ازالہ کی راہ پر آنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتا، اس دور کا سب سے بڑا الیہ یہی ہے۔ نفس اور مادیت پسندی کی قوتوں سے بلند ہو کر قلب کی سلامتی اور روح کو نفسی قوتوں کی ریغمانی سے نجات دلانے کی فکر نہ ہونے کے برابر ہے، جب کہ دین کی سلامتی اسی کام سے وابستہ ہے۔ (مرتب)

### اللہ کے حقوق کی تعظیم اور مخلوق خدا پر شفقت

جس طرح فرد کو امر و نواہی حق تعالیٰ کی فرمائبرداری ضروری ہے، اسی طرح مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام اور مخلوق کے ساتھ غم خواری کرنا بھی ضروری ہے۔ (بعض عارفین کا قول ہے کہ) اللہ کے حکم کی تعظیم ہونی چاہئے، اور مخلوق خدا پر شفقت۔ یہ قول بھی ان دونوں حقوق کی ادائیگی کا بیان ہے اور ان دونوں چیزوں کی رعایت پر دلالت کر رہا ہے۔ پس دونوں میں سے ایک پر انحصار کرنا کوتاہی کی بات ہے اور کل کو چھوڑ کر جو پر اکتفا کرنا ”کمالیت“ کے خلاف ہے۔ لہذا مخلوق خدا کے حقوق کو ادا کرنا بھی ضروری ہے، اور مخلوق کے ساتھ ہم معاشرت بھی لازمی ہے۔ مخلوق سے بے التلقانی اور لا پرواہی مناسب نہیں ہے۔

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنین عالم است  
نازکی کے راست آید باریا سد کشید

(جو شخص عاشق ہوا، وہ اگرچہ نازنین عالم ہی کیوں نہ ہو، اب ان کے لئے نازک مزاجی درست نہیں ہے، اس کو ناز اٹھانا چاہئے۔) (مکتب ۱۷۴ دفتر اول بنام شیخ نور)

### تشريع

بندوں کے حقوق کی ادائیگی اور خدمت خلق کا کام سب سے بڑی نیکی ہے، وہ جو کہا گیا ہے کہ خدا، عبادت سے نہیں، بلکہ خدمت خلق سے ہی ملتا ہے، اگرچہ یہ بات متنہی صوفیوں کے لئے ہے، تاہم اللہ کی مخلوق کی خدمت اور ان کے کام آتے رہنا، یہ اتنی بڑی نیکی ہے کہ اس کے صدقہ میں اللہ اپنے قرب کے راستے بھی کھول دیتا ہے، اس لئے خدمت کے کاموں کو غیر اہم سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ بالخصوص متنہی صوفی کی تو پیشتر ترقی خدمت کے کاموں سے ہی وابستہ ہے۔ (مرتب)

### بندہ مؤمن کے لئے وظیفہ حیات

ہم فقیروں پر جو باتیں لازم ہیں، وہ حسب ذیل:

- (۱) عاجزی و انکساری اور تضرع و ابتلاء۔
- (۲) بندگی کے وظائف کی ادائیگی۔
- (۳) شرعی حدود کی حفاظت۔
- (۴) سنت نبویہ ﷺ کی متابعت۔
- (۵) نیت کی صحیح۔
- (۶) باطن کو ماسوی سے آزاد کرنا، اور ظاہر کو اطاعت میں مشغول رکھنا۔
- (۷) اپنے عیبوں اور گناہوں کے غلبے کا مشاہدہ۔
- (۸) عالم الغیب کے انتقام کا خوف۔
- (۹) اپنی نیکیوں کو چاہئے، وہ زیادہ ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، کم سمجھنا۔
- (۱۰) اپنے گناہوں کو چاہئے وہ کم کیوں نہ ہوں، زیادہ سمجھنا۔

ہو سکتا ہے، لیکن جو ظلمت و کدورت دنیا کی محبت کے راستے سے دل پر چھا جاتی ہے، وہ دل کو گدلا اور پلید کر دیتی ہے، اس کے دور کرنے میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے تجویز فرمایا ہے کہ: ”دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں کو محبت دنیا، ارباب دنیا کے میل میلاب سے نجات دے۔ دنیا کی محبت اور ارباب دنیا کی صحبت سم قاتل، مرض مہلک، بلاعے عظیم اور بیماری عظیم ہے۔ (مکتب ۱۷۱ دفتر اول بنام ملا طاہر بدخشی)

### تشريع

اس مکتوب میں بیان کردہ ہر نکتہ ایسا ہے جو بندہ مؤمن اور اللہ کے طالب کے لئے دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے۔

بالخصوص کچھ نکات تو ایسے ہیں، جو اس دور کے اہل تصوف کے لئے خصوصی اہمیت کے مستحق ہیں۔ ایک یہ کہ بزرگوں کو اپنی طرف اصلاح کی نیت سے آنے والے طالبوں سے خوف زدہ ہونا چاہئے کہ کہیں وہ ان کے لئے ابتلا و آزمائش نہ بن جائیں، اس طرح یہ چیز پیر کی بربادی کا مقدار نہ ہو، حضرت مجدد جیسی ہستی کی طرف سے بزرگی کی مندرجہ پر فائز شخصیت کو یہ انتباہ ایسا ہے، جو آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ موجودہ دور میں ہماری حالت یہ ہے کہ کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح گھیرگھار کر لوگوں کو لاکر اپنا مرید بنایا جائے۔ اس طرح اپنے مریدوں کے حلقہ کو وسیع سے وسیع تر کیا جائے۔ اگر کوشش کے باوجود لوگوں کا رجوع نہ ہو تو رنجیدگی ہوتی ہے کہ لوگ بیعت ہونے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں۔

حضرت مجدد اس طرح کی صورتحال کو پیر کے لئے شدید نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ مرید بنانے کی خواہش کا ہونا اور اس کے لئے کاؤشوں کا ہونا ہی کوئی خوش گوار بات نہیں، کجا کہ اس پر مسرت و خوشی کا احساس ہو۔

حضرت مجدد کا بیان کردہ یہ نکتہ ایسا ہے، جو ہاتھ میں انگرہ لینے کے متراوٹ ہے، لوگ اگر از خود اصلاح کی نیت سے وابستہ ہو جائیں تو بزرگ کو چاہئے کہ وہ اللہ

(۱۱) اپنی شہرت اور مخلوق میں مقبولیت ترسان ولرزائ رہنا۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: آدمی کی برائی کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کی طرف (اس کی شہرت کی بنا پر) انگلیاں اٹھائی جائیں، دین کے بارے میں یا دنیا کے، مگر جس کو اللہ محفوظ رکھے، وہ اس برائی سے محفوظ ہے۔

(۱۲) اپنے افعال اور اپنی نیتوں کو مہتمم کرنا، اگرچہ وہ مثل صحیح روشن ہوں۔

(۱۳) اپنے احوال و بزرگی کی طرف توجہ نہ کرنا، اگرچہ وہ صحیح اور مطابق ہی کیوں نہ ہوں۔

(۱۴) محض دین کی تائید، تقویت ملت اور ترویجِ شریعت و دعوت حق کی کوشش پر بھروسہ نہ کر بیٹھنا، کیونکہ تائید دین کبھی کبھی کافر و فاجر سے بھی ہو جایا کرتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ (کبھی) فاجر مرد سے بھی اس دین کی تائید کرالیتا ہے۔

(۱۵) جب مرید کی آمد طلب کے ساتھ اور باطن کی چاہت کے ارادے سے ہو، تو اس کے آنے سے انتہائی ڈرنا چاہئے کہ کہیں اس پیری مریدی کے راستے سے اس پیر کی بربادی مقدر نہ ہو اور یہ امر اس کے لیے استدراج نہ ہو جائے۔ اگر بالفرض کسی مرید کی آمد پر خوشی اور سرور محسوس کریں، تو اس خوشی کو کفر و شرک کی طرح رُوا جائیں اور اس کا تدارک نداشت واستغفار سے اس قدر کریں کہ اس خوشی کا اثر باقی نہ رہے، بلکہ اس خوشی کی جگہ خوف و حزن لے لے۔

(۱۶) (اپنے خلفاء کو) اچھی طرح تائید کریں کہ مرید کے مال اور اس کے دنیوی منافع میں ان کو لاچ نہ پیدا ہونے پائے، کیونکہ یہ بات رشد و ہدایت میں رکاوٹ ڈالنے والی ہے اور پیر کے لئے باعث خرابی ہے۔ خداوند کریم کے یہاں تو دین خالص کا مطالبہ ہے (خود فرماتا ہے) **اَلَا لِلّهِ الَّذِينَ الْخَالِصُونَ** (آگاہ ہو کہ اللہ کے لیے خالص عبادت مقصود ہے) اس جناب میں شرک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(۱۷) یہ بھی جانیں کہ جو (معمولی) ظلمت و کدورت دل پر طاری ہوتی ہے، اس کا ازالہ، توبہ و استغفار اور نداشت والجہ کے ذریعہ، ہترین طریقے پر آسانی سے

سے مدد مانگنے کے یا اللہ، میری اپنی اصلاح متاثر ہے، میں اس قابل کہاں ہوں کہ دوسروں کی اصلاح کرسکوں تو اپنے فضل خاص میری بھی اصلاح فرم اور اصلاح کے اس طالب کو بھی اپنی محبت کی دولت عظیمی عطا فرم۔

موجودہ دور میں جس پیر صاحب میں توجہ دینے کی صلاحیت موجود ہے یا کچھ باصلاحیت افراد انہیں حاصل ہیں، وہ ان چیزوں کے ذریعہ مال جمع کرنے کے لئے کوشش ہوتا ہے، چند سالوں کے اندر اندر پیر صاحب گاڑی، بگھ اور جانماد کا مالک بن جاتا ہے، یہ عام مشاہدہ کی بات ہے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مرید کے مال پر نگاہ ہرگز نہ ہونی چاہئے، یہ پیر کے دین واہیمان کے لئے خطرہ کا موجب ہے۔ بدلتی سے موجودہ دور میں بزرگی کو عام طور پر ان دونوں مقاصد کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے اور پیری مریدی اور بزرگی اس دور میں دولتمندی اور شہرت کا ذریعہ بن کر رہ گئی ہے۔

اس المیہ پر سوائے تاسف کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ اس دور میں بہت کم بزرگ ہیں، جو حضرت مجدد جیسے اکابر بزرگ کی تاکید سے کی جانے والی اس نصیحت کو اہمیت دیتے ہوں اور جو اہل دنیا سے تعلقات کو اپنے لئے سم قاتل سمجھتے ہوں، آپ کا بیان کردہ تیسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ دنیا کی محبت کے نتیجہ میں دل میں جو کدورت اور ظلمات پیدا ہوتی ہے، وہ آسانی سے دور نہیں ہوتی۔ موجودہ دور میں سرمانیدارانہ نظام کے غلبہ اور اللہ کی مخلوق کے خون پسینہ کی محنت سے خوشحال مادی زندگی کے عام مظاہر و مناظر نے معاشرہ میں ظلمات و کدورت کی فضا کو غیر معمولی طور پر غالب کر دیا ہے۔ اس بڑھتی ہوئی ظلمات و کدورت کے اثرات ہیں کہ دل سے دنیا کی محبت کے اثرات نکلنے نہیں پاتے، حضرت مجدد نے اپنے دور کے حالات کے اعتبار سے یہ بات فرمائی تھی کہ دنیا کی محبت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ظلمات آسانی سے دور نہیں ہوتی جب کہ موجودہ دور میں دنیا کی محبت کی ظلمات کئی سو گنا زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اور اس نے دلوں کو حب مال کے جذبات سے سرشار کر دیا ہے۔ نیز مالداروں کی محبت سم قاتل اور مہلک مرض ہے۔ حضرت مجدد کے بیان کردہ یہ نکات ایسے

ہیں، جن کی صداقت کا پوری طرح مشاہدہ آج کے دور سے پہلے شاید ہی کبھی ہوا ہو۔ (مرتب)

### کشف کی حیثیت

#### عنداللہ آدھے بُو کے برابر بھی نہیں

صوفیاء کے حالت سکر کے کلمات اور ان کے احوال کیا فائدہ دے سکتے ہیں؟ عنداللہ وجود حال جب تک شریعت کی ترازو، نہیں تو لئے، آدھے پیسے کو نہیں خریدتے اور جب تک کشف والہام کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر نہیں پر کھ لیتے آدھے ہو کو قبول نہیں کرتے۔ راہ سلوک میں چلنے سے مقصود شرعی عقائد پر کامل یقین کا حاصل کرنا ہے، کہ یہی ایمان کی حقیقت ہے۔ نیز فقیہ احکام کی ادائیگی میں سہولت حاصل ہونا بھی مقصود ہے، اس کے علاوہ اور کوئی مقصود نہیں۔ دیدارِ الہی کا آخرت کے لیے وعدہ کیا گیا ہے۔ دنیا میں ہرگز واقع نہیں ہوگا۔ وہ مشاہدات و تجلیات جس پر صوفیاء خوش ہو رہے ہیں وہ تو (درحقیقت) سائے اور مال پر تسلی دی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بلند سے بلند ہے۔ عجیب معاملہ ہے۔ اگر مشاہدات و تجلیات کی صحیح صحیح حقیقت بیان کی جائے تو خوف ہے کہ کہیں اس راہ کے مبتدیوں کی طلب اور ان کے شوق میں کمی واقع نہ ہو جائے۔ اور اگر بیان نہ کیا جائے تو اس بات کا خوف ہے کہ جان بوجھ کر حق و باطل کو ملانے کو جائز نہ قرار دے دیا جائے۔ (مکتب ۷۶ دفتر اول بنام مرزا حسام الدین احمد)

### تشريع

یہ مکتب اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ کشف والہام اس قابل نہیں ہے کہ اسے فیصلہ کن اہمیت دی جائے، راہ سلوک سے اصل مقصود اسلامی شریعت پر استقامت کا حاصل ہونا ہے۔ کشف وغیرہ تو حوصلہ افزائی کا ذریعہ ہے۔ اسے راہ سلوک میں تیز رفتاری سے چلنے کا ذریعہ بنانا چاہئے، نہ کہ کشف کو مقصود بنا کر، اپنی

بزرگی درویشی کے مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہئے، ایسے طالب جو ذکر و فکر کے مجاہدوں کو بزرگوں کی روحیوں سے ملاقات اور دوسری دنیا کے مشاہدات کا ذریعہ سمجھتے ہیں، ان کا ہدف یہی چیزیں ہوتی ہیں۔ جب کہ راہ سلوک کا ہدف ماسوئی اللہ سے منقطع ہو جانا ہے۔ (مرتب)

### بزرگوں کو مختلف مقامات پر دیکھنا

حضرت مخدومی قبلہ گاہی (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) فرمایا کرتے تھے کہ ایک درویش بیان کرتے تھے کہ عجیب معاملہ ہے لوگ اطرافِ وجہاب سے میرے پاس آتے ہیں، ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ ہم نے ہم کو مکہ معظمہ میں دیکھا ہے وہاں موسم حج میں موجود تھے اور ہمارے ساتھ تم نے حج کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہم نے تم کو بغداد میں دیکھا تھا اور مجھ سے اپنی واقفیت کا اظہار کرتے ہیں، حالانکہ میں اپنے گھر سے باہر ہی نہیں نکلا ہوں اور نہ میں نے ان لوگوں کو کبھی دیکھا۔ (مکتوب ۲۱۶ دفتر اول بنام مرزا حسام الدین احمد)

### تشریح

اس مکتوب سے یہ نکتہ سمجھنا چاہئے کہ بزرگوں سے روحانی طور پر ملاقات ہونا، یا ان کی تصویروں کو انہی کی شکل میں دیکھنا، نہ تو معراج کمال ہے اور نہ ہی اس قابل ہے کہ اس کا دوسروں سے تذکرہ کر کے محظوظ ہوا جائے، بلکہ بزرگوں کی اس روحانی ملاقات کا تو اکثر اوقات میں خود بزرگوں کو بھی علم نہیں ہوتا۔ ان تصویروں کی کل حیثیت یہ ہے کہ یہ طالبوں کی حوصلہ افزائی کا ذریعہ ہیں اور ان کے لئے راہ سلوک میں چلنے کے لئے مہیز کی حیثیت رکھتی ہیں، ان شکلوں کو اگر اس سے زیادہ اہمیت دی گئی اور انہیں اپنی بزرگی کی تشکیر کا ذریعہ بنایا گیا تو اہل تصوف کے لئے موجب فتنہ بن جائے گا۔ (مرتب)

### باطنی امراض کے اثرات و نتائج

فرد کو ظاہری امراض میں سے کوئی مرض لاحق ہوتا ہے یا اس کے کسی عضو کو کوئی آفت و تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتا، جب تک وہ مرض دور نہ ہو جائے اور قلبی مرض جس سے مراد اللہ کے سوا دوسری چیزوں میں مشغولیت ہے۔ یہ مرض اس حد تک غالب آچکا ہے کہ قریب ہے کہ فرد کو ابدی موت تک پہنچا دے اور دائیگی عذاب میں بتلا کر دے اس مرض کے ازالے کی کوئی فکر نہیں کرتا اور نہ اس کے دفع کرنے کی کوشش ہوتی ہے (ایسا فرد دو حال سے خالی نہیں) اگر وہ دنیا میں گرفتاری کو مرض نہیں سمجھتا تو وہ حق محسن ہے اور اگر مرض سمجھتا ہے اور پھر اس کا علاج نہیں کرتا تو ناپاک محسن ہے۔ یقینی طور پر اس مرضِ باطن کو پہچاننے کے لیے عقلی آخوت درکار ہے۔ دنیاوی عقل (بیچاری) اپنی کوتاه نظری کی وجہ سے ظاہر بینی تک محدود ہے۔ جس طرح عقلِ دنیاوی اپنے فانی لذتوں کی وجہ باطنی آفتوں کو مرض نہیں سمجھتی، اسی طرح عقلِ آخوت بھی اخروی ثوابوں کے پیش نظر ظاہری امراض کو مرض تصور نہیں کرتی۔ عقلِ معاش کوتاہ بین ہے، اور عقلِ معاد تیز نظر (دور بین) ہے۔ عقلِ معاد ”نصیب انبیاء و اولیاء“ ہے اور عقلِ معاش ”مرغوب اغنیاء و ارباب دنیا“ دونوں عقولوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ آخوت والی عقل حاصل کرنے کے جو اسباب ہیں، ان میں سے ایک ذکر موت ہے اور آخوت احوال ہیں اور ایسے لوگوں کے ساتھ صحبت کا اہتمام جو یادِ آخوت کی دولت سے مشرف ہوں۔

وادیم تراز گنج مقصود نشانے ماؤگر ز سید یم تو شاید بر سی  
جاننا چاہیے کہ جس طرح ظاہری مرض کی موجودگی میں شرعی احکام کی ادائیگی میں دشواری ہوتی ہے، اسی طرح مرض باطن بھی موجب دشواری ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے: **كَبَرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ**۔ (جس چیز کی طرف آپ مشرکین کو بلا رہے ہیں یعنی توحید وہ ان مشرکین پر بہت بھاری ہے)۔

ایک جگہ ارشاد ہے: **وَإِنَّهَا لِكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْعَاهِدِينَ** (بیشک نماز دشوار ہے، مگر ان پر دشوار نہیں، جو خشیت اختیار کرنے والے ہیں)۔ ظاہر میں تو جسمانی اور اعصابی کمزوری سے دشواری ہوتی اور باطن میں ایمان و یقین کی کمزوری موجب دشواری ہوتا ہے۔ شرعی احکام میں تو پوری سہولت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **بِرِّيْنَدَ اللَّهَ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ**۔ (اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے، دشواری نہیں چاہتا)۔ (مکتب ۲۱۹ دفتر اول ملا داود)

### تشريع

قبی امراض، جو، کہ افراد کی ہلاکت کے لئے کافی ہیں۔ اور معاشرہ میں فساد کا ذریعہ ہیں۔ عام طور پر ان سے غفلت کا مظاہر ہے۔ بظاہر اگرچہ کسی حد تک دین داری بھی موجود ہے، لیکن باطنی بیماریوں حب جاہ و حب مال، حرص و ہوس، دوسروں کی تحقیر اور دعویٰ کی وجہ سے افراد معاشرہ میں ٹکراؤ اور امت کی وحدت میں توڑ کی فضا غالب ہے۔ یہ سب باطنی امراض کی نوعیت کو سمجھ کر ان کے ازالہ کی فکر کے نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ (مرتب)

### عافیت اور خوشحالی کا نیک اعمال

اور ذکر سے وابستہ ہونا

**إِنَّ اللَّهَ لَا يَعِفُرُ مَا يَقُولُمْ حَتَّى يَعِيزُوا مَا يَنفِسُهُمْ** (بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی عافیت و نعمت کو نہیں تبدیل کرتا جب تک وہ اپنے احوالی جمیلہ کو اخلاق رذیلہ سے تبدیل کر دیں) یعنی جب تک کوئی قوم اعمالی صالحہ میں مشغول رہے گی اور ذکر خدا سے غافل نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی عافیت و خوشحالی سلب نہیں ہوگی۔ (مکتب ۲۳۹ دفتر اول)

بلا د ہند میں انبیاء کی دعوت توحید کیوں عام نہ ہو سکی؟

یقین جتنا غور کرتا ہے اور نظر کو دوڑاتا ہے کوئی علاقہ ایسا نہیں پاتا، جہاں پر ہمارے پیغمبر ﷺ کی دعوت نہ پہنچی ہو، بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا نورِ دعوت آفتاب کی طرح ہر جگہ پہنچا ہے، حتیٰ کہ یاجوج و ماجوج (کے علاقے) میں بھی، جن کے لیے سد (ذوالقرنین) حائل ہے۔ (قبلی بعثتِ خاتم الانبیاء ﷺ) امام سابقہ میں جب غور کرتا ہوں تو کم مقامات ایسے پاتا ہوں کہ جہاں کسی پیغمبر کی بعثت نہ ہوئی ہو۔ حتیٰ کہ ہندستان جو (بظاہر) اس معاملہ سے دور معلوم ہوتا ہے، یہاں پر بھی پاتا ہوں کہ پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں اور انہوں نے اللہ کی دعوت دی ہے۔ ہند میں ایسا محسوس ہوتا ہے، گویا انوار انبیاء، ظلماتِ شرک کے اندر متعلقوں کی طرح روشن ہیں..... اور یہ بھی دیکھتا ہوں کہ یہاں ایک پیغمبر وہ ہے، جس پر کوئی ایمان نہیں لا یا اور کسی نے ان کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ ایک پیغمبر ایسا ہے کہ اس پر صرف ایک فرد ایمان لا یا ہے۔ ایک پیغمبر پر صرف دو آدمی ایمان لائے ہیں۔ بعض پر تین آدمی ایمان لائے ہیں۔ تین سے زیادہ کسی پیغمبر پر ایمان لانے والے نظر نہیں آئے..... یہاں کوئی کوتاہ اندیش یہ سوال نہ کرے کہ اگر ہندستان میں انبیاء مبعوث ہوئے تو ان کی بعثت کی خبر یقینی طور پر ہم تک پہنچتی، بلکہ وہ خبر، نقل کی کثرت اور تواتر کے ساتھ متفقہ ہوتی۔ اور جب ایسا نہیں ہے تو یہاں انبیاء بھی مبعوث نہیں ہوئے۔

میں کہتا ہوں کہ ان پیغمبروں کی دعوت عام نہ تھی، بعض کی دعوت کسی ایک قوم کے لئے تھی، بعض کی کسی ایک قریہ یا ایک شہر والوں کے لئے تھی۔ (مکتب ۲۵۹ دفتر اول)

### تشريع

یہاں نفس پرستی کی شدید قوتوں کو سمجھنے کے لئے یہ نکتہ ضروری ہے کہ انبیاء کرام دنیا میں اللہ کی طرف سے سب سے بڑی نعمت اور رحمت ہوتے ہیں، ان کی

زندگی بھر کی جدوجہد، ساری توانائیوں کے استعمال اور پاکیزہ کردار کی رونق کے باوجود افراد کی طرف سے ان کی دعوت سے بغاوت کی روشن کا ہونا اور ایک پیغمبر پر صرف ایک آدھ افراد کا ایمان لانا، انسانیت کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ اور انسانی نفیات میں موجود عین خرابی کو ظاہر کرتا ہے۔ موجودہ دور، تو سراپا مادیت سے عبارت ہے اور اس دور میں نفس کی خواہشات کو مشتعل کرنے کے لئے ہر وقت مادی مناظر و مظاہر موجود ہیں، لیکن اُس دور میں تو یہ صورت نہیں تھی، اس کے باوجود اللہ کے نبیوں کی مخالفت کرنا اور ان کی دعوت کا منفی جواب دینا، نفس پرستی کی قوتوں کو سمجھنے کے نقطہ نگاہ سے ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ (مرتب)

### کفار کو حاصل ہونے والے بعض نبی

#### امور کے کشف کی حیثیت

تصفیہ و تذکیرہ اور نفس کی پاکیزگی ان صالح ایمان سے جو وابستہ ہے جو اللہ کی مرضی کی ہوں، اس بات کا تعلق بھی انبیاء کی بعثت سے ہے اس لئے انبیاء کی بعثت کے بغیر تذکیرہ نفس کی صفائی کی کوئی حقیقت نہیں، کفار اور اہل فتن کو جو صفائی حاصل ہوتی ہے وہ نفس کی صفائی ہے، نہ کہ قلب کی، نفس کی ایسی صفائی گمراہی اور خسارہ کے علاوہ اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی، نفس کی صفائی کی وجہ سے ان پر جو بعض غیبی چیزوں کا کشف ہوتا ہے، وہ ان کے لئے ڈھیل و آزمائش کی حیثیت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس بلا سے حضور ﷺ کے صدقہ سے نجات دے۔ (مکتب ۲۶۱ دفتر اول)

#### تشریح

اس سے معلوم ہوا کہ مجاہدات کے ذریعہ نفس کی صفائی اہل کفار کی بھی ہو جاتی ہے اور انہیں کشف وغیرہ بھی حاصل ہونے لگتا ہے، ان کے یہ مجاہدے اور ان کا کشف ان کے لئے ڈھیل اور آزمائش سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، اس لئے کہ صحیح

دینی عقائد اور اسلامی شریعت کے بغیر یہ چیزیں اللہ کی رضامندی کا موجب ہرگز نہیں ہو سکتی، کشف اور لوگوں کی دلوں میں موجود باتوں کے جاننے کا تعلق نفس کی قوت کو پامال کرنے سے بھی ہے۔ جب نفس، حالت بھوک اور ریاضتوں سے پامال ہوتا ہے تو روح کی پرواز اونچی ہو جاتی ہے، لیکن صحیح ایمانی عقائد اور اسلامی شریعت کے بغیر اس طرح کی روحانیت اور کشف عند اللہ کسی اہمیت کا حامل نہیں۔ (مرتب)

### وراثت انبیاء کی بصیرت افروز تشريح

حدیث میں ہے۔ العلماء ورثة الانبياء (علماء کے ہیں انبیاء کے وارث ہیں)۔ انبیاء علیہم السلام کے جو علم و راثت ہے وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک احکام کا علم دوم اسرار کا علم، انبیاء کا وارث کھلانے کا مستحق دینی عالم ہے، جس کو دونوں قسم کے علموں سے حصہ ملا ہو، یہ نہ ہو کہ فقط ایک قسم کا علم نصیب ہو، دوسرے علم سے محرومی ہو، یہ بات وراثت کے خلاف ہے۔ وارث مورث کے سارے ترکے میں حصہ دار ہوتا ہے، یہ نہیں کہ وہ وراثت کی کچھ چیزوں میں تو حصہ دار ہو، کچھ میں نہ ہو اور جس کا حصہ کسی خاص جنس تک محدود ہے وہ (وارث نہیں ہے اس لیے کہ قرض دینے والے کا حصہ صرف اس کے حق کی جنس سے متعلق ہوتا ہے۔ (مکتب ۲۶۸ دفتر اول، بنام خانخانات)

#### تشریح

علماء کرام، انبیاء کرام کے دونوں طرح کے علموں کے وارث ہوتے ہیں، ایک شرعی احکامات کا علم، دوم احکامات کے پس پردہ اسرار کا علم، یعنی باطنی علوم، جس سے نفس کی قوتوں کو شریعت کے تابع بنانے، انہیں حکمت، فراست و بصیرت سے نوازا جاتا ہے، محض ایک طرح کے علم سے انبیاء کی وراثت سے حصہ نہیں ملتا۔ (مرتب)

### اپنے اختیار کا شیخ کامل کے اختیار میں گم کرنا

اپنے اختیار کو شیخ کامل کے اختیار میں گم کر دے اور خود کو ساری آرزوں سے

خالی کر کے اس کی خدمت کے لئے کمر باندھ لے۔ شیخ کامل اگر طالب میں ذکر واذکار کی استعداد دیکھے گا تو ذکر کا حکم کرے گا۔ اگر اس کے لئے مراتبی کو مناسب سمجھے گا تو اس کے لئے ارشاد فرمائے گا اور اگر محض اپنی صحبت میں رہنے کو کافی سمجھے گا تو اس کا امر کرے گا..... نیز چاہئے کہ اس راہ کی شرائط کا خیال رکھا جائے، یہ شرائط، مشائخ کی کتب میں تفصیل سے موجود ہیں، وہاں دیکھ کر ان کو ملحوظ رکھا جائے۔ اس راہ کی سب سے بڑی شرط، نفس امارہ سے معمر کے آرائی کرنا ہے اور یہ اس کی مخالفت اس بات سے وابستہ ہے کہ مقامِ تقویٰ کی رعایت و پاسداری کی جائے۔ (مکتوب ۲۸۶ دفتر اول)

### تشریح

شیخ کامل جو نفسی قوتوں کے ہمالیہ پہاڑ کو طے کر چکا ہوتا ہے، طالب جب اپنے آپ کو کمل طور پر اس کے سپرد کر دیتا ہے تو وہ بڑی حکمت و بصیرت کے ساتھ نفس کی ان گھاٹیوں سے نکالنے کے لئے کوشش ہوتا ہے، شیخ کامل پر کمل اعتماد کر کے اس کے سامنے اپنی رائے کو فنا کرنا ناگزیر ہے۔

اس کے بغیر راہ سلوک کا سفر ممکن نہیں، اس لئے کہ مبتدی نفسی قوتوں کی خوفناک قوتوں سے نآشناۓ محض ہوتا ہے، وہ شیخ کی سرپرستی میں سفر کرنے کے نتیجہ میں ہی نفسی قوتوں کو عبور کر کے نفس مطمئنہ تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ (مرتب)

### شرعی احکام کی ادائیگی میں

### نفسانی ظلمات کی وجہ سے دشواری کا ہونا

بعض افراد کو جو شرعی احکام کی ادائیگی میں جو آسانی محسوس نہیں ہوتی، تو نفسانی ظلمات اور طبعی کدورت کی وجہ سے ہے، نفسانی ظلمات اور طبعی کدورت میں نفس امارہ کی خواہش سے پیدا ہوتی ہیں، اور نفس امارہ ظاہر ہے کہ حق کی عداوت پر ڈٹا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (بے شک نماز دشوار ہے مگر ان پر دشوار نہیں جو

عاجزی اور فروتنی کرنے والے بندے ہیں) پس جس طرح ظاہری مرض سے احکام کی ادائیگی میں دشواری کا ہوتی ہے، اسی طرح باطنی مرض بھی دشواری کا باعث بن جاتا ہے۔ شریعتِ مطہرہ، نفس امارہ کو کچلنے اور اس کے وسوسوں کو دور کرنے کے لئے وارد ہوئی ہے۔ خواہشِ نفس اور اتباعِ شریعتِ دونوں آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں، لہذا جب کوئی شرعی احکام میں دشواری محسوس کرے گا یہ علامت ہے اس بات کی کہ اس کے اندر خواہشِ نفسانی کے موجود ہے (بلکہ طاقتور ہے) جس قدر دشواری محسوس ہوگی اسی قدر سمجھا جائے گا کہ خواہشِ نفس موجود ہے۔ اور جب نفس امارہ کی خواہش کلیتی دفع ہو جائے گی۔ شرعی احکام میں دشواری کا احساس ختم ہو جائے گا۔ (مکتوب ۲۸۹ دفتر اول بنام مولانا بدر الدین)

### تشریح

کثرت ذکر کے بغیر نفسی قوتوں کی شہ زوری ختم نہیں ہوتی بلکہ نفس کی قوت و شدت موجود ہوتی ہے اور یہی نفسی قوت شریعت پر چلنے میں مزاحم ہوتی ہے۔ اور اخلاق حسنے کی راہ میں حائل ہوتی ہے۔

جب تک ذکر و فکر کے مجاهدوں اور صحبت اہل اللہ کے ذریعہ نفس امارہ کا زور نہیں ٹوٹے گا اور فنائے کلی کا مقام حاصل نہ ہوگا، اس وقت تک شریعت پر عمل پیرا ہونا دشوار ہے، دوسرے شرعی امور تو خیر اپنی جگہ، نماز تک کی ادائیگی میں شدید مشکلات درپیش ہوں گی۔ حضرت مجدد کا بیان کردہ یہ نکتہ ایسا ہے، جس کا مشاہدہ راہ سلوک کے ہر طالب کو روزمرہ زندگی میں حاصل ہوتا ہے۔ جو افراد راہ سلوک میں نہیں ہیں، ان کی نفس کی شدت کا کیا کہنا۔ نفسی ظلمات کی موجودگی میں اگرچہ ظاہری اور رسمی فرائض کی بجا آوری کی صورت پیدا ہو سکے، جو عادت کا نتیجہ ہوتی ہے، لیکن دل کی گھرائیوں اور محض اللہ کی رضامندی کے مقصد سے فرائض و واجبات و سنن کی ادائیگی ہو، دشوار تر ہے۔ باطنی بیماریوں سے نجات اور اخلاق حسنے کا پیدا ہونا تو مزید دشوار تر ہے۔ اس لئے نفسانی ظلمات کے ازالہ کا کام سارے کاموں سے زیادہ

سلسلہ میں کوئی کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ کاش وہ حمیت دین کا مظاہرہ کرتے ہوئے جدیدیت کے چیز، (جس نے لاکھوں سے زیادہ افراد کو سیکولر بنا دیا ہے) کے مقابلہ کی فکر کریں اور اپنے باصلاحیت افراد کو اس کام میں لگائیں۔ (مرتب)

### پچھے نماز کی تاکید کے بیان میں

نماز، دین کا ستون اور معراج مومن ہے (اس لیے) نماز کی ادائیگی میں پورا اہتمام ملحوظ رکھا جائے اور اختیاط کرنی چاہئے کہ نماز کے ارکان و شرائط اور سنن و آداب، نماز کی شایانِ شان ادا ہوں۔ طہانیت و تدعیل ارکان کے متعلق بار بار تاکید کی جاتی ہے کہ اس کی اچھی محافظت کریں۔ اکثر لوگوں کو دیکھا جا رہا ہے کہ وہ نماز کو ضائع کر رہے ہیں اور طہانیت اور اس کے ارکان کو برپا کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے حق میں وعیدیں اور تهدیدیں وارد ہوئی ہیں۔ نماز جب درست ہوگئی تو (سچھو، نجات کے لیے امیدِ عظیم تر آگئی)۔ اس لیے کہ اس کے ذریعے دین قائم ہوا اور عروج کا ذریعہ مکمل ہو گیا۔ (مکتب ۲۰ دفتر دوم بنام مولانا محمد طاہر بدھشی)

### تشریح

جب نماز کی راہ میں حائل دشواریاں دور ہو گئیں اور نماز میں خشوع و خضوع کی کیفیت غالب ہونا شروع ہوگئی، نیز نماز سے انسیت کا تعلق قائم ہونا اور مستحکم ہونا شروع ہوا تو سمجھنا چاہئے کہ ذکر و فکر کے مجاہدوں کا مقصد حاصل ہو گیا، اور اب راہ سلوک کے طے ہونے میں زیادہ دشواری باقی نہیں، الصلوٰۃ معراج المؤمنین کا مقام نفسِ مطمئنہ کے حامل افراد ہی کو نصیب ہوتا ہے۔ (مرتب)

### ہزاروں ظلمتوں و کدرتوں کا علاج

اتباع سنت اور شیخ سے محبت و اخلاص کا ہونا

اگر ان دو چیزوں میں کوئی خلل واقع نہ ہوا ہو۔ تو کوئی غم کی بات نہیں، ایک

اہمیت کا حامل ہونا چاہئے۔ (مرتب)

### فتنة کے خلاف حمیت کا اظہار

اللہ تعالیٰ اہل کتاب کی مذمت کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ ان کو (یہود کو) جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے ان کے زاہد اور عالم کیوں نہیں منع کرتے ہیں پیش کیا جو کچھ کر رہے ہیں بُرا کر رہے ہیں۔ دوسرا جگہ فرماتا ہے وہ (علماء یہود) یہود کو برے کام کرنے سے نہیں روکتے ہیں یہ بُرا کرتے ہیں۔“ اس قسم کے واقعات میں تغافل کرنا بدعتیوں کو دلیر بنانا اور دین میں رخنہ ڈالنا ہے۔ یہ بات بھی (بڑوں کی) سنتی سے ہو رہی ہے کہ مہدوی جماعت اس جگہ بر ملا اہل حق کو باطل کی طرف دعوت دے رہی ہے اور وہ تھوڑے تھوڑے وقٹے سے دو ایک آدمیوں کو اس طرح اچک لیتے ہیں، جس طرح بھیڑیا گلے میں سے بھیڑ کو لے جاتا ہے۔ زیادہ کیا تکلیف دوں۔ چونکہ یہ (خطیب والی) خبر وحشت اثر مجھے شورش میں لے آئی اور اس نے میری رگ فاروقی کو متحک کر دیا، اس لیے یہ چند کلمات لکھ دیئے (امید کہ) مجھے معذور رکھیں گے۔ (ایضاً)

### تشریح

اس مکتب میں آپ نے جو غیر معمولی دینی حمیت ظاہر کی ہے، وہ ہمارے لئے قابل تقاضہ ہے۔ موجودہ دور میں آئے دن جو نئے نئے فتنے اٹھ رہے ہیں، بالخصوص خالص مادی نوعیت کے نظریاتی فتنے، جو ہماری ذیں نوجوان نسل کو دین کے بنیادی عقائد سے بغاوت کی راہ پر لے جا رہے ہیں۔ ان فتنوں کو سمجھہ کر، ان کے مقابلہ کی فکر نہ ہونے کے برابر ہے، حضرت مجدد سے محبت کے دعویداروں اور مجددی کہلوانے والوں کو حضرت مجدد کا یہ اور اس طرح کے دوسرے مکتب بیدار کرنے اور جھنچھوڑنے کے لئے کافی ہیں۔ مجددی سلسلہ کے بہت سارے بزرگ ایسے موجود ہیں، جو باصلاحیت بھی ہیں تو ان کے پاس وسائل کی بہتات بھی ہے، لیکن جدیدیت کے حوالے سے دین کو درپیش چیز کا فہم و شعور نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس

آنحضرت ﷺ کا اتباع۔ دوم اپنے شیخ سے محبت و اخلاص۔ ان دونوں چیزوں کی موجودگی میں اگر دل پر ہزاروں ظلمتیں اور لکورتیں طاری ہو جائیں، تب بھی کوئی مصالقہ نہیں ہے۔ انجام کے لحاظ سے فرد کو خراب و ضائع نہیں کریں گے۔ لیکن اگر خداخواست ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک میں بھی نقصان پیدا ہو گیا تو خرابی ہی خرابی ہے، اگرچہ فرد کو کتنی ہی حضور و جمعیت حاصل ہو، اس لیے کہ وہ استدرج (مہلت و ڈھیل) ہے اور اس کا انجام خرابی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ ان دونوں باتوں میں ثابت قدم رہنے کی دعا مانگیں اور اس سے ان دونوں باتوں پر مستحکم رہنے کی ایتنا کریں۔ انہی دو چیزوں پر کام اور نجات کا مدار ہے۔ (مکتب، ۳۰)

### دفتر دوم بنام خواجہ محمد اشرف و مولانا حاجی محمد فرقی

#### تشريع

یہ مکتب اس اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں شیخ سے محبت کو فیصلہ کن قرار دیا گیا ہے، شیخ کامل جو رسول کا نائب ہوتا ہے، جس کی زندگی، اللہ کے رسول کی زندگی کے نقوش پر مشتمل ہوتی ہے، اس سے محبت کے تعلق کی وجہ سے فرد کے لئے اللہ و رسول کی محبت آسان کر دی جاتی ہے۔ اور باطنی اصلاح اور تزکیہ کی راہ کھول دی جاتی ہے، اور اسے اخلاق حسنے سے آراستہ کیا جاتا ہے، یہ وہ نکتہ ہے، جسے نہ سمجھنے کی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہونے لگتی ہے۔ امت کی پوری تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ بزرگان دین سے محبت اور ان کی صحبت کی وجہ سے کروڑ ہا افراد، دین پر استقامت سے قائم رہے، آج جب امت کا یہ تسلسل قائم نہ رہا اور اہل اللہ سے محبت کا تعلق منقطع ہو گیا تو مادیت کے سیالاب میں تنکوں کی طرح بہنے کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ غور و فکر کی ضرورت ہے کہ حضرت مجدد ہی نہیں، بلکہ سارے سلف صالحین، اہل اللہ کی محبت اختیار کرنے کی تاکید ووصیت کرتے رہے ہیں۔ سبب یہ ہے کہ اللہ کی سنت یہ ہے کہ دین و دنیا کے سارے علوم (خود دنیاوی علوم و فنون) ماہرین کی

محبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ مرتب)

کچھ ذکر اور درود کے بارے میں

اللہ تعالیٰ کی عنایت سے معلوم ہوا کہ اس وقت ذکر کرنا درود پڑھنے سے بہتر ہے، درود بھینجنے والے کے لیے بھی اور جس ذات گرامی پر درود بھیجا جاتا ہے اس کے لیے بھی۔ وجہ سے ایک وجہ تو یہ ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”جس شخص کو میرا ذکر سوال و درخواست سے باز رکھے میں اس کو ان لوگوں سے بہتر اور زیادہ تر دیتا ہوں جو مجھ سے سوال کرتے ہیں۔“ دوسری وجہ یہ ہے کہ ذکر، حضرت پیغمبر ﷺ سے مانع ہے۔ ذکر کا ثواب جس طرح ذاکر کو ملتا ہے آں سرو ﷺ کو بھی اس ثواب کے مثل ملتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”جس شخص نے کسی طریقہ نیک کی بنیاد رکھی، پس اس کا ثواب ملتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ جو شخص بھی اس نیک طریقے پر عمل کرے گا، اس کا ثواب بھی۔“ اسی طرح ہر عمل نیک جو کسی امتی سے وجود میں آتا ہے، اس کا اجر جس عامل کو ملتا ہے پیغمبر کو بھی جو اس عمل کے مقرر کرنے والے ہیں، اسی قدر اجر ملتا ہے، بغیر اس کے عمل کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی واقع ہو۔ اور اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ عمل نیک کرنے والا پیغمبر (کو ثواب پہنچانے) کی نیت سے عمل کرے۔ اس لیے کہ یہ اجر کا دینا محض عطاۓ حق ہے۔ عمل کرنے والے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ البتہ اگر عمل کرنے والا پیغمبر کی نیت بھی کر لے گا تو یہ امر خود عامل کے اجر و ثواب کی زیادتی کا باعث ہو گا اور یہ زیادتی اجر و ثواب بھی پیغمبر ﷺ کی طرف رجوع کرے گی۔ (مکتب ۷۵ دفتر دوم بنام ملا نازی)

#### تشريع

ذکر کی اہمیت مسلمہ ہے کہ ذکر سے نفس کی قوت پامال ہوتی ہے اور ذکر کا نور

فرد کی زندگی میں فیصلہ کن انقلاب و تبدیلی کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ جس ذکر کی برکت سے فرد کی زندگی پا کیزہ ہو جائے اور نفس پرستی کی قوتوں سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو جائے، اس ذکر کی اہمیت مسلمہ ہے۔ چونکہ ذکر کی تعلیم اللہ کے رسول کے ذریعہ ہی ملی ہے، اس لئے اس کا ثواب اللہ کے رسول کو تو ہر صورت میں مل کر رہے گا۔ تاہم روزانہ درود کا کچھ نہ کچھ تعداد میں معمول ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ جس ہستی کے ذریعہ سے اسلامی شریعت ملی، جو ہستی ہمارے لئے دونوں جہانوں کی سعادت کا ذریعہ ہے، اس پر درود بھیجننا امتی پر حق ہے۔ (مرتب)

### مبتدی کے لئے ذکر کی فیصلہ کن اہمیت

اس میں شک نہیں کہ ذکر سے اصلی مقصد اللہ کی یاد ہے اور اجر اس کا ضمنی حاصل اور درود شریف میں اصلی مقصد طلب اجر و حاجت ہے اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ پس وہ فیوض و برکات جو ذکر کی راہ سے پیغمبر ﷺ کو پہنچتے ہیں ان فیوض و برکات کے مقابلے میں کئی درجے زیادہ ہوں گے، جو درد کی راہ سے ان کو پہنچتے ہیں۔ یہ بھی جان لینا چاہیے کہ ہر ذکر یہ اہمیت نہیں، بلکہ جو ذکر، لائق قبول ہے وہی اس خصوصیت و اہمیت کا حامل ہے، اگر ایسا ذکر، جس کو طالب کسی شیخ کامل سے حاصل کرے اور شرائط کے ساتھ اسے کرتا رہے تو وہ درود سے افضل ہے ..... اسی لیے بزرگوں نے مبتدی کے لیے سوائے ذکر کے اور کوئی چیز تجویز نہیں کی ہے اور اس کے حق میں فرائض، (واجب) اور سنن کو کافی سمجھا ہے اور اسے نفلی چیزوں سے منع کیا ہے۔ (ایضا)

### تشريع

چونکہ مبتدی کا نفس، شرارت میں شیطان سے زیادہ شریور ہوتا ہے، اس لئے ذکر کشیر کے ذریعہ نفس کی اس گندگی کی صفائی ضروری ہے، دوسری صورت میں ہر کام میں نفس کے فسادی جرائم شامل ہونے کے خطرات لاحق رہتے ہیں۔ نفلی

عبادت اور دینی کاموں میں بھی دعویٰ کے خطرات لاحق رہتے ہیں۔ اس لئے ذکر کشیر کے بغیر سالکوں کو نفلی چیزوں سے بھی منع کیا جاتا ہے، پہلے اصل مقصد کی سمت صحیح ہو جائے، اس کے بعد ہی سارے کام یعنی میں شمار ہوں گے۔ (مرتب)

### دعوت کے کام سے بُرھکر کوئی کمال نہیں

یہ بات بھی اچھی طرح روشن ہے کہ کوئی کمال، دعوت و تبلیغ کے کام کے مرتبے کو نہیں پہنچتا۔ اس لیے کہ اللہ کے بندوں میں اللہ کو وہ بندہ زیادہ محظوظ ہے جو بندوں کی دوستی اللہ سے اور اللہ کی دوستی بندوں سے کرادے، ظاہر ہے یہ داعی مبلغ ہی کا کام ہے۔ تم نے سنا ہوگا کہ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن علماء کی روشنائی، شہداء فی سبیل اللہ کے خون کے ساتھ وزن کی جائے گی اور علماء کی سیاہی وروشنائی کا پلہ، شہداء کے خون کے پلہ سے بھاری ہوگا۔ امت کو یہ دولت دعوت و تبلیغ بالاصالت میسر نہیں ہے، جو کچھ بھی دعوت و تبلیغ ان کے پاس ہے وہ پیغمبرؐ کے طفیل ضمنی طور پر ہے۔ اصل اصل ہوتا ہے اور شاخ اصل سے نکلتی ہے۔ اس سے اس امت کے اندر دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کی فضیلت سمجھی چاہیے۔ دعوت و تبلیغ کے مختلف درجات ہیں اور ”داعیان و مبلغان“ کے درجات میں بھی فرق ہے۔ علماء کا وظینہ خاص ظاہری احکام کی تبلیغ ہے۔ صوفیہ باطنی احکام کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور جو عالم بھی ہو اور صوفی بھی تو وہ تو اکسیر کا حکم رکھتا ہے اور وہی ظاہر و باطن کی تبلیغ کے شایانِ شان ہے اور (درحقیقت) وہی نائب ووارث پیغمبر ﷺ ہے۔ (مکتب ۷۴  
دفتر دوم)

### تشريع

دعویٰ کام کی اہمیت مسلمہ ہے۔ متوسط صوفی کوشش، کامل کی سرپرستی میں دعویٰ کام کرنا چاہیے یا اس کام میں تقویت کا ذریعہ ہونا چاہئے۔ دعویٰ کام کے بغیر باطل قوتوں اور مادیت پرست اور سیکولر عناصر کے کام کے توڑ کی صورت کا پیدا ہونا ممکن

نہیں۔ دین کے تحفظ و بقا کا کام دعوت کے کام سے ہی وابستہ ہے، اہل تصوف کے لئے اس کام کے لئے فکرمندی ضروری ہے۔ دعوت کام میں بھی بہت سارے مجاز ہیں۔ فکری و علمی کام کا مجاز ہے۔ لوگوں کو ذکر و فکر کے حلقوں کی طرف بلانے کا مجاز ہے۔ بُرا نیوں سے بچنے اور امرِ خوبی کا مجاز ہے، مختلف مزاج کے لوگوں کو مختلف مجازوں پر دعوتی کام کرنا ضروری ہے، اس کام کی برکت سے اللہ کی طرف سے راه سلوک کے طے ہونے کی صورتیں بھی پیدا ہوتی جائیں گی۔ (مرتب)

### دوسرے بزرگ سے استفادہ کا سوال

دریافت کیا تھا کہ پیر کے زندہ اور موجود ہونے کے باوجود اگر کوئی طالب کسی دوسرے شیخ کے پاس جا کر اس سے استفادہ کرے تو کیا یہ جائز یا نہیں؟ جاننا چاہیے کہ اصلی، مقصود حق تعالیٰ ہے اور پیر (محض) ایک وسیلہ ہے حق تعالیٰ تک پہنچنے کا، اگر کوئی طالب اپنی اصلاح دوسرے شخص کے صحبت میں دیکھتا ہے اور اس کی صحبت سے اس کا دل حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو جائز ہے کہ وہ اپنے پیر کی حیات ہی میں اس کی اجازت کے بغیر اس شخص سے فیض حاصل کرے، لیکن یہ ضروری ہے کہ پیر اول سے انکار نہ کرے اور اسے اچھائی کے ساتھ یاد کرے (غرضکہ دوسرے شیخ سے ہدایت حاصل کرنا جائز ہے) بالخصوص اس زمانے میں کہ جب پیری و مریدی ایک رسم و عادت کی صورت اختیار کرچکی ہے اور اکثر پیر ان وقت، جو خود اپنی خبر نہیں رکھتے اور ایمان و کفر کی انتیازی حدود قائم نہیں کر سکتے، وہ خداوند کریم سے کیا خبردار ہوں گے اور مرید کو کیا راہ راست دکھائیں گے؟۔

### آکہ از خویشن چونیست جنیں

کے خبردار واژچنا و چنیں  
اس مرید پر افسوس ہے جو ایسے (ناقص) پیر پر اعتماد کر کے بیٹھا رہے اور دوسرے کی طرف رجوع کر کے راہِ خدا معلوم نہ کرے۔ یہ شیطانی وسو سے ہیں، جو ناقص پیر کے زندہ ہونے کے باعث، طالب کو راہِ حق سے روکتے ہیں۔ جس جگہ بھی

ہدایت اور دل کی کیسوئی میسر ہو، بے تامل وہاں رجوع کرنا چاہئے اور شیطانی سے وہ سوں سے بچنا چاہئے۔ (مکتوب ۲۳ دفتر دوم بنام نور محمد ابن الولی)

اللہ کو دعوتی کام سب سے زیادہ محبوب ہے، اس مکتوب میں دوسرا نکتہ جو بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اگر ناقص پیر کی صحبت حاصل ہے، بعد میں اس کا احساس ہوا تو اس صورت میں طالب کے لئے لازم ہے کہ ایسے اہل اللہ کی صحبت اختیار کرے، جس کی صحبت سے دل سے حب جاہ و حب مال کے جذبات مضمحل ہونے لگیں اور تزکیہ و اخلاق حسنہ کی صورت پیدا ہو۔ مرتب)

### دل کے بدلتے ہوئے احوال سے پریشان نہ ہونا چاہیے

(حدیث شریف میں ہے) الدنیا سجن المؤمن دنیا مؤمن کا قیدخانہ ہے۔ قیدخانہ کے مناسب حال تو درد والم اور وصیبہت ہی ہیں۔ دل کی کیفیت کے ادل بدل ہونے سے پریشان نہ ہوں۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے فَإِنَّمَا مَعَ الْعُشْرِ يُسْرَأُ إِنَّمَا مَعَ الْعُشْرِ يُسْرَأً۔ (بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے، البته دشواری سے ساتھ آسانی ہے)۔ دیکھو اس جگہ ایک تیگی دشواری کے ساتھ دو آسانیاں ملا دی گئی ہیں، شاید ان سے فراخی دنیا اور فراخی آخرت مراد ہو۔ باکریاں کارہا دشوار نہیں۔ (مکتوب ۲۳ دفتر دوم بنام محمد مومن خاں)

### تشريع

راہِ محبت کا طالب برسوں تک نفس کے ساتھ حالت جگ میں ہونے کی وجہ سے کیفیات کے ادل بدل سے دوچار رہتا ہے، کبھی تو ذکر و فکر اور اس کا ذوق و شوق بے پناہ ہوتا ہے اور کبھی ساری کوششوں کے باوجود ذکر و فکر میں کیفیات نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں۔ کبھی وہ محسوس کرتا ہے کہ نفس پوری طرح اس کے تابع ہو گیا ہے، کبھی اس پر نفس کی قوت اس طرح غالب آجائی ہے کہ وہ آہ وزاری کرنے لگتا

ہے، آئے دن کے بدلتے ہوئے ان حالات سے وہ شدید تشویش میں بٹتا ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو راندہ درگاہ سمجھنے لگتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نفس کے ساتھ یہ حالت جنگ اور ادتی بدلتی ہوئی یہ کیفیات ایسی ہیں، جو طالب کی کامیابی کی نوید ہیں، اس لئے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ راہ سلوک میں تیز رفتاری سے چل رہا ہے، یہ راہ سلوک کی بنیادی عالمتیں ہیں، اب تک کے بزرگوں کو جو کچھ بھی حاصل ہوا ہے، وہ انہی حالات سے گذرنے کے نتیجہ میں ہی حاصل ہوا ہے، اس لئے اس اعتبار سے طالبوں کو حوصلہ اور اعتماد رکھنا چاہئے کہ نفس کے خلاف ان کی کاؤشیں ان شاء اللہ نتیجہ نہیں ثابت ہوں گی۔ (مرتب)

### اسلام کی حقانیت اور باطل کی بخ کنی کی کوشش کا ضروری ہونا

بعض طلبائے علوم نے لائق کی جو کہ خبیث باطن کا نتیجہ ہوتی ہے۔ امراء و سلاطین سے قرب تلاش کر کے ان کی خوشنام کرنا شروع کر دی۔ اور دین متنین میں طرح طرح کے شکوک و شبہات ڈال دیے اور بے وقوف کو راہ مستقیم سے ہٹادیا۔ یہ بادشاہِ عظیم الشان جب کہ آپ کی بات اچھی طرح سنتا اور اس کو قبول کرتا ہے تو یہ کتنی اعلیٰ درجہ کی بات ہو گی کہ صراحتہ یا اشارۃ ان کے کانوں میں کلمہ حق یعنی کلمہ اسلام کو اہل سنت و جماعت، کے عقائد کے مطابق کانوں میں ڈال دیں اور جتنی گنجائش بھی ہو، اہل حق کی باتوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کریں، بلکہ اس بات کے منتظر رہیں کہ کوئی نہ کوئی صورت ایسی پیدا ہوتی رہے جس سے مذہب کی گنگوہ درمیان میں آجائے۔ تاکہ اسلام کی حقانیت کا اظہار اور کفر و کافری کے باطل ہونے کا بیان ہو سکے۔ کفر خود ایک کھلا ہوا باطل ہے، کوئی عاقل اس کو پسند نہیں کرتا، اس کے باطل ہونے کو بلا تامل ظاہر کرنا اور کفار کے باطل کی معبدوں کی بے توقف نفی کرنا چاہیے۔ ایضاً۔ (مکتب ۶۶ دفتر دوم)

### تشريع

اس مکتب میں حکمران طبقات میں دعویٰ کام پر اکسایا گیا ہے۔ اگر راہ سلوک سے وابستہ افراد، معاشرہ کے موثر طبقات میں حکمت کے ساتھ دعویٰ فریضہ سرانجام دیں تو اب بھی باطل کے خلاف صفات آرائی کا کام ہو سکتا ہے۔ لیکن اس طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرہ سراسر فساد سے عبارت ہو گیا ہے۔ بااثر اور موثر طبقات میں دعوت کا کام وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ (مرتب)

اصلاح حکومت کی کوشش کا ہونا،  
بنی آدم کی اصلاح کی کوشش کے برابر ہونا

سلطان کی حیثیت روح کی سی ہے اور لوگوں کی مثال جسم کی سی، اگر روح صالح ہے تو جسم و بدن بھی صالح ہے، اگر روح فاسد ہے تو بدن بھی فاسد ہے۔ پس سلطان کی اصلاح کوشش کرنا، تمام بنی آدم کی اصلاح کی کوشش کرنا ہے، اور اصلاح کلمہ اسلام کے اظہار سے وابستہ ہے، جس طرح بھی اور جس وقت بھی مناسب ہو، اہل سنت و جماعت کے عقائد کے مطابق، کبھی کبھی سلطان کے گوش گزار کرنا ضروری ہے اور مخالفین کا رد کرنا بھی چاہیے۔ اگر یہ دولت میسر ہوئی تو سمجھو کہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت عظیمی حاصل ہو گئی۔ آپ کو یہ دولت مفت میں حاصل ہے۔ اس دولت کی قدر پہچانی چاہئے۔ (ایضاً)

### تشريع

اس مکتب سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمرانوں سے محاذ آرائی کی بجائے حکمت کے ساتھ ان کی اصلاح کی کوشش ہونا، یہ بہت ضروری ہے۔ حضرت مجدد کی نظر میں اس کام کی حیثیت فیصلہ کن ہے۔ حضرت مجدد کے دور میں ان سے محبت رکھنے والی

بعض شخصیتیں (جن کی قابل ذکر حد تک اصلاح ہو چکی تھی) وہ اپنی ممتاز سماجی حیثیت کی وجہ سے بادشاہ وقت سے قریب تھیں۔ آپ نے ان کے ذریعہ بادشاہ وقت کی اصلاح کی کوشش کی اور آپ اس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب رہے۔ آج کے دور کے حکمرانوں پر اثر انداز ہو کر، ان سے ریاستی نظام میں بہتری اور نظام تعلیم کی صحیح خطوط پر تنقیل کے سلسلہ میں کس طرح کام ہو؟

افسوں کی بات ہے کہ دینی سیاسی جماعتیں سیاست میں حریف بن کر یا تو مدنقابل کی حیثیت سے سامنے آتی ہیں، یا اقتدار میں شریک ہو کر، اقتدار کی خرابیوں کی نذر ہو جاتی ہیں۔ ان میں حکمرانوں کی اصلاح کے لئے حقیقی فکرمندی و دردمندی کا سخت نقداں ہے۔

اس مجاز پر بہتر حکمت عملی کے ساتھ کام کی ضرورت ہے، اس سے حکومتی اداروں کے ذریعہ بڑھتے ہوئے بگاڑ سے بچنے کی کافی بہتر صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

### کثرت ذکر کے ذریعہ

#### تہذیب نفس سے پہلے نفلی عبادات کا و بال ہونا

تم نے لکھا تھا کہ اللہ سے وعاد تصرع وزاری اور دوام التجا بہتر ہے یا ذکر کرنا۔ یا ذکر کے ساتھ امور مذکورہ کا ملا دینا بہتر ہے؟ (جواب میں لکھا جاتا ہے کہ) ذکر کے بغیر چارہ کا رہنیں ہے، اس کے ساتھ جو (چھی) باتیں جمع ہو جائیں، وہ نعمت ہے۔ (مشائخ نے) ”وصول“ کا مدار ذکر پر رکھا ہے، دوسری چیزیں ذکر کے شمرات و نتائج ہیں۔ تم نے یہ بھی سوال کیا تھا کہ۔

ذکر نفلی و اثبات (ذکر لا الہ الا اللہ) تلاوت قرآن اور طویل قیام کے ساتھ نماز، ان تین چیزوں میں سے کیا چیز بہتر ہے؟ (اس کا جواب یہ ہے کہ (ذکر نفلی و اثبات کی حیثیت وضوجیسی ہے کہ وضو نماز کے لیے شرط ہے، جب تک صحیح طریقہ پر طہارت نہ ہو، نماز شروع کرنا منع ہے۔ اسی طرح جب تک معاملہ نفلی انعامات تک نہ

پہنچے، اس وقت تک فرائض واجبات اور سنتوں کے علاوہ دیگر نفلی عبادات و بال میں داخل ہوں گی، اول اپنے مرض کا ازالہ کرنا چاہیے، مرض کا ازالہ ذکر نفلی و اثبات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس کے بعد دیگر عبادات و حسنات میں مشغول ہونا چاہیے۔ یہ نفلی عبادات و حسنات ایسی ہیں، جیسی کہ بدن کے لیے صالح غذا ہوتی ہیں، مرض کی موجودگی میں جو بھی غذا کھائی جائے گی، وہ فاسد و مفسد ثابت ہوگی۔ (مکتب ۱۲، دفتر سوم)

### تشريع

اس مکتب میں جو اہم کلمتہ بیان ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ جب تک کثرت ذکر کے ذریعہ نفس کی کدورتیں دور نہ ہوں گی، تب تک تکبر وغیرہ کا مالخواہیا موجود ہو گا، یہ فرد کے دل میں دنیا کی چاہت اور اس کی زیب و زینت کا نقش مستحکم کرتا رہے گا اور فرد کا دل مادی دنیا کے حوالے سے زیروز بر ہوتا رہے گا اور نفسی جبابات اور نفسی کدر وقوں کی موجودگی میں وصول مع اللہ یعنی اللہ سے مستحکم تعلق قائم نہ ہو سکے گا۔ اس صورت میں نفلی عبادتوں سے دعویٰ اور تکبر جیسی بیماریوں کے بڑھنے کا خطرہ موجود ہے، دوسری نفلی عبادتیں اس وقت نافع ہوں گی، جب کثرت ذکر کے نور کے ساتھ تہذیب نفس کا عمل قابل ذکر حد تک طے ہو جائے گا۔ اگرچہ قشبندی سلسلہ کا اصل ذکر اسم ذات کا قلبی ذکر ہے، اس ذکر کی محییت عرصہ تک طالب کو دوسرے اذکار کی طرف جانے ہی نہیں دیتی، تاہم متوسط طالب کے لئے لا الہ الا اللہ کا ذکر بھی موجود ہے۔ جس سے اللہ کے سوا سارے بتوں کی نفلی کا ملکہ رائخ ہونے لگتا ہے، یہ نکتہ ذہن نشین ہونا ضروری ہے کہ انسانی شخصیت میں موجود نفس پرستی کے بتوں کو توڑنے میں ذکر ہی فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔

اخلاق، للهیت، بے نفسی بھی کثرت ذکر ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ ذکر چونکہ نفس کے اندر موجود گند کو نکال کر اسے نفس مطمئنہ تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اس لئے جب تک کثرت ذکر کے نور سے نفس کی صفائی و تلطیف و تہذیب وضوجیسی نہیں ہوتی، تب

تک نفی عبادات مفید ہونے کی بجائے مضر ثابت ہوتی ہیں، حضرت مجدد نے سلوک کے اس بنیادی اصولی نکتہ کو بیان کر کے راہ سلوک کے طالبوں کی صحیح رہنمائی فرمائی ہے، فنائے نفس کے سفر پر گامزن ہر طالب پر خود یہ بات مشاہد ہوتی رہتی ہے کہ دوران سلوک اس کا جو وقت ذکر کے بغیر گذرتا ہے، اس وقت نفسی قوتیں کس شدت سے اس پر حملہ آور ہوتی ہیں، اس مکتب سے ایک اہم بات جو واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ معاشرہ میں برپا ہونے والا سارا فساد، ذکر و فکر اور خدا ختابی کے ذریعہ نفسی تقوتوں کو پامال اور ذلیل نہ کرنے کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ اہل سیاست ہوں، یا اہل تجارت، اہل مناصب ہوں یا اہل علم، چونکہ وہ نفسی تقوتوں کو فنا نیت کے مراحل سے گذارنے کے سب سے بنیادی کام سے غافل ہوتے ہیں، اس لئے ان کا نفس طاقتوں ہوتا ہے اور وہ سیاست، تجارت، مناصب اور علم کو اپنے مفادات کی تکمیل اور اپنی انانیت کے بت کے استحکام کے لئے استعمال کرنے لگتے ہیں، جس سے ظلم و فساد برپا ہوتا ہے، گروہ بندی ہوتی ہے، باہم ٹکڑا کی صورت پیدا ہوتی ہے اور ایک خاص گروہ دولت پر سانپ بن کر عام افراد پر غربت کو مسلط کرنے لگتا ہے۔

راہ سلوک میں بھی وہ افراد جو راہ سلوک کو مکمل طور پر طے کئے بغیر مشینیت کے منصب پر فائز ہو گئے ہوں، ان کا نفس بھی ستم ڈھانے لگتا ہے، وہ اپنی بزرگی کو فروغ دینے کے لئے زیادہ سے زیادہ مرید بنانے کی ہوں رکھتا ہے، اس سے اس کے سامنے دو مقصد ہوتے ہیں یا تو بڑے پیارہ اور بزرگ کی حیثیت سے، اس کو شہرت حاصل ہو یا وہ زیادہ سے زیادہ دولت سے ملا مال ہو۔

فناۓ مطلق تک رسائی کے بغیر سالک کے نفس کی ان فریب کاریوں سے بچاؤ کی صورت مسدود ہے۔ اگرچہ ایسے بزرگ سے وابستہ افراد کو روحاںی طور پر نفع ہی حاصل ہوتا ہو، اس نفع کی حیثیت اس طالب سے حاصل ہونے والے نفع کی سی ہے، جو میڑک پاس ہے، میڑک پاس طالب ساتویں کلاس تک کے طلبہ کو پڑھانے

کی استعداد کا حامل ہوتا ہے۔ جب کہ اس کی اپنی تعلیم ناکمل اور ناقص ہوتی ہے۔ نفس کے سارے قتوں سے بچاؤ کی واحد صورت ذکر و فکر کے مجبودوں کے ذریعہ مقام فنا تک رسائی ہے، دوسری صورت میں فرد، زندگی کے ہر موڑ پر نفس اور مادیت پرستی کی قتوں کے خطرات و حملوں سے دوچار رہے گا، حضرت مجدد نے اپنے نور بصیرت سے انسانی نفیات کی اس بنیادی خرابی کو واضح فرمाकر، ہم سب کو متنبہ کیا ہے، اس طرح ایک لحاظ سے ہم پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے۔

فنائے نفس کی علامتوں میں سے کچھ علامتیں یہ ہیں، مالداروں کی صحبت سے خوشی کی بجائے اذیت محسوس ہو، ضرورت سے زائد دولت کے حصول کی فکر موجود نہ ہو، فکر آخرت کا ہر وقت استحضار ہو، دل، ہر وقت متوجہ الی اللہ ہو، اللہ کی مخلوق کے کام آنے اور ان کی آخرت بنانے کی فکر غالب ہو۔ طبیعت، مادی دنیا کی سہولتوں سے متعین ہونے سے کراہت محسوس کرتی ہو۔ اہل دنیا سے استغنا ہو۔ محبوب حقیقی کے عتاب کی فکر کا غلبہ ہو، اپنے گناہوں اور سیہ کاریوں پر ندامت کا احساس موجود ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ مرتب)

### فقہی مسائل میں لوگوں کو سہولت دینا چاہیے

اگر مشرکوں کا مال نجاست ظاہری قرار پاتا اور وہ نجس العین ہوتے تو حضو طبیعتیہ ان کے برتوں کو ہاتھ تک نہ لگاتے، حالانکہ آپ نے ان کا کھانا کھایا ہے اور پانی پیا ہے، علاوہ ازیں نجس العین ہر وقت نجس العین ہے، اس میں اباحت سابق و لاحق کی گنجائش ہی نہیں، اگر مشرک، نجس العین ہوتے تو چاہیے تھا کہ وہ ابتداء ہی سے ایسے ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (شروع ہی سے) اس کے مطابق ان سے معاملہ فرماتے (ان کے برتوں سے بھی پرہیز فرماتے) جب ایسا نہیں ہوا تو وہ نجس العین بھی نہیں۔ پھر یہ بھی تو ہے کہ دین میں بیکی و دشواری نہیں رکھی گئی۔ تم اس بات

کو سمجھ سکتے ہو کہ ان کی نجاست کا حکم لگانا اور ان کو بخس اعین قرار دینا، اس سے مسلمانوں کی کس قدر تنگی و دشواری پیدا ہوتی ہے۔ ائمہ حفیہ کا احسان مند ہونا چاہیے کہ انہوں نے اس سلسلہ میں مسلمانوں کے لیے چھکارے کی ایک راہ نکال دی ہے اور ارتکاب حرام سے بچالیا ہے۔ نہ کہ الٹا ان پر طعنہ کسا جائے اور ان کے ہنر کو عیب شمار کیا جائے۔ مجتہد پر اعتراض کا کیا موقع ہے، اس کی اجتہادی خطا میں ثواب ہے اور اس کی اجتہادی خطا کی تقلید بھی موجب نجات ہے، جو لوگ کفار کی کھانے پینے کی چیزوں کے حرمت کے قائل ہیں، عادت کے اعتبار سے مشکل ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان کی چیزوں سے بچائیں۔ خصوصاً ہندوستان میں کہ یہاں یہ مجبوری بہت زیادہ ہے۔ یہ مسئلہ عمومی بلوئی کا حکم رکھتا ہے، ایسے مسئللوں میں احتیاط بھی ہے کہ کسی نہ کسی مجتہد کے قول پر سہل و آسان بات کا فتویٰ دیا جائے۔ چاہے وہ اپنے فقہی مسلک کے مطابق نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **بِرَبِّهِ اللَّهِ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْفُسْرَ** (اللہ تعالیٰ تمہاری آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا)۔ دوسرا جگہ فرمایا ہے **بِرَبِّهِ اللَّهِ أَن يُعَذِّبَ عَنْكُمْ وَعَلِيقُ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا** (اللہ تعالیٰ تمہارا بوجہ ہلکا کرنا چاہتا ہے اور انسان تو پیدائشی طور پر ضعیف واقع ہوا ہے)۔ (خواہ مخواہ سخت فتویٰ دے کر) مخلوق خدا کو تنگی میں ڈالنا اور پریشان کرنا حرام ہے اور حضرت حق جل مجدہ کے نزدیک غیر پسندیدہ فعل ہے۔

شافعیہ بعض ایسے مسائل، جن میں حضرت امام شافعیؓ کے یہاں (کچھ) سخت ہے، حنفی مذهب کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور اللہ کے بندوں کے لیے آسانی پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً مصارف زکوٰۃ کے بارے میں امام شافعیؓ کے نزدیک یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم تمام اقسام مصارف زکوٰۃ میں تقسیم کرنا چاہیے، ان مصارف میں سے ایک مولفۃ القلوب (جن کی تایف، قلب مد نظر ہوتی ہے) بھی ہیں اور یہ قسم اس وقت مفقود ہے، لہذا علماء شافعیہ نے مذهب حنفیہ کے مطابق فتویٰ دیا ہے اور یہ کافی

سمجھا ہے کہ ان مستحقین زکوٰۃ کی اقسام میں سے کسی ایک قسم کو زکوٰۃ دیدی جائے۔  
(مکتب ۱۵۔ دفتر سوم)

### تشريع

علماء کرام کو تاکید فرمائی گئی ہے کہ لوگوں کی مشکلات اور پریشانیوں کو پیش نظر رکھکر فقہی مسائل میں انہیں سہولت دی جائے، یہ سہولت اگر اپنے فقہی مسلک میں نہیں ملتی تو دوسرے فقہی ذخیرہ سے دینی چاہئے، اس لئے کہ اللہ لوگوں کے لئے آسانیاں چاہتا ہے نہ کہ مشکلات۔

حضرت مجدد جیسی شخصیت کی طرف سے مفتیان کرام و علمائے دین کو اس طرف راغب کرنا، بڑی اہمیت کا حامل ہے، عالم و مفتی حکیم ہوتا ہے، اسے اپنے زمانے کے لوگوں کی مصیبتوں کو دیکھکر، ان کے لئے مسائل و بحرونوں سے نکلنے میں مدد دے کر انہیں گناہوں کی دلدل سے نکلنے کا ذریعہ بننا چاہئے۔ موجودہ دور میں اس طرح کی حکمت عملی کی زیادہ ضرورت ہے۔ (مرتب)

### مبتدی، متوسط اور مقتی کے ذکر میں فرق

مبتدی طالب کے لیے ذکر کے بغیر کوئی چارہ نہیں، اس لیے کہ اس کی ترقی ذکر ہی سے وابستہ ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ ذکر کو کسی شیخ کامل و مکمل سے حاصل کیا ہو، اگر یہ شرط موجود نہ رہی تو اس ذکر کی حیثیت با اوقات ابرار (نیکوکاروں) کے وظیفوں کی سی ہوگی، جس کا ثواب تو ملے گا، مگر وہ ذریعہ قرب نہ بن سکے گا۔ اور اس سے فرد اس مقام تک نہ پہنچ سکے گا، جہاں، مقریں پہنچ جاتے ہیں۔ ویسے کبھی کبھار فضل خداوندی شامل ہو سکتا ہے کہ کسی شیخ کے توسط کے بغیر بھی وہ کسی طالب کی تربیت فرمادے اور کثرت ذکر اس کو مقرب بنا دے، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کثرت ذکر کے بغیر بھی اس کو قرب سے مشرف فرمادے اور اپنے اولیا میں شامل کر لے۔

لیکن (شیخ کامل کی) شرط اکثریت سے وابستہ ہے (اور اللہ کی حکمت و سنت یہی ہے) جب فضل خداوندی سے ذکر کے ذریعہ راہ طے ہو جاتی ہے اور نفسانی خواہشات کے جھوٹے معبودوں سے آزادی حاصل ہو جاتی ہے، نیز نفس امارہ، نفس مطمئنہ بن جاتا ہے تو اس وقت مزید ترقی ذکر سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ اس وقت ذکر، ”اوراو ابرار“ کا حکم رکھتا ہے۔ اس وقت تو قرب کے مقامات تلاوت قرآن اور طویل نماز کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں، پہلے جو ترقی ذکر سے حاصل ہوتی تھی، اب وہ تلاوت قرآن سے حاصل ہوگی، خصوصاً جبکہ تلاوت قرآن، نماز کے اندر ہو۔ حاصل کلام یہ کہ آخر میں ذکر، اس تلاوت قرآن کا حکم رکھتا ہے، جو ابتداء میں کی جاتی تھی اور جو اس وقت (زیادہ سے زیادہ) نیکوکاروں کے وظیفوں کی حیثیت رکھتی تھی، اب تلاوت کی حیثیت اس ذکر کی سی ہو جاتی ہے، جو ابتداء اور درمیاں میں مقرب تھا، عجیب معاملہ ہے کہ آخر میں اگر ذکر کی تکرار، تلاوت قرآن ہو اور ”اعوذ باللہ من الشیطان الرجيم“ کے ذکر سے شروع ہو تو اس سے وہی فائدہ حاصل ہوتا ہے، جو تلاوت قرآن سے میسر ہوتا ہے۔ ہر عمل کا ایک وقت اور موسم ہے، اگر اس موقع میں اس کو کیا جائے تو اس سے بہتری پیدا ہوتی ہے اور اس موقع و موسم میں ادا نہ کیا جائے تو بسا واقعات وہ خطا بن جاتی ہے۔

اگرچہ نیک عمل ہو، قرأت فاتحہ کو دیکھو۔ تشهید کے موقع پر سورہ فاتحہ پڑھنی خطا ہے، اگرچہ سورہ فاتحہ ام الکتاب ہے۔ پس اس راہ میں راہنمای مرشد ضروری ہے، اس کی تعلیم وہدایت بھی اہم مہمات سے ہوئی۔

### تشریح

اس مکتب میں راہ سلوک کے پورے سفر کی ترتیب بیان فرمائی گئی ہے، وہ ترتیب یہ ہے کہ جب کوئی طالب بالخصوص نقشبندی سلسلہ کے فنا فی اللہ اور باقی باللہ بزرگ سے اصلاحی تعلق قائم کرتا ہے تو شروع میں قرآن و نوافل سے اس کا ذوق

وشوق پیدا ہونا شروع ہوتا ہے، اور وہ اپنے اندر طاقتو را یمانی کیفیات محسوس کرنا شروع کر دیتا ہے۔ لیکن یہ کیفیات چند ماہ تک رہتی ہیں، کسی پر سال اور دو تین سال تک جاری رہتی ہیں، اس کے بعد اس کا دل ذکر کی طرف راغب ہونا شروع ہوتا ہے اور ذکر میں اس کا انہاک اتنا بڑھنے لگتا ہے کہ نوافل وغیرہ سے اس کی طبعی مناسبت باقی نہیں رہتی، وہ جتنا ذکر کرتا ہے، اسی حساب سے دل کی تشقیقی بڑھنے لگتی ہے۔ نیز ذکر کے نور سے اس کے نفس کے اندر گندگی کی صفائی بھی ہونے لگتی ہے۔

محبوب کی تجلیات کے زیر اثر وہ قبض و بسط کے حالات سے بھی دوچار ہونے لگتا ہے۔ ایک عرصہ تک مسلسل کثرت ذکر سے جب اس کے نفس کی حالت میں بیادی تغیر واقع ہو جاتا ہے، تو اس کے لئے اسلامی شریعت پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے، یہ سلوک اور فنا کا آخری مرحلہ ہوتا ہے۔ اب طالب کے دل میں ذکر سے مناسبت پیدا ہو کر ذکر دل میں راخن ہونے لگتا ہے۔

اس کے بعد کیفیات میں اول بدل میں بھی غیر معمولی طور پر کمی واقع ہو جاتی ہے اور اب تلاوت قرآن اور نماز سے اس کے دل کا رشتہ مستحکم ہونے لگتا ہے۔ اس مقام پر طالب کی پیشتر ترقی تلاوت قرآن اور طویل نماز سے ہی ہوتی ہے۔ کثرت ذکر کا درمیانی عرصہ اس لئے مطلوب تھا، تاکہ اندر میں موجود گند، جو تکبیر اور حب مال جیسی خرابیوں کی صورت میں موجود ہوتا ہے، اس کی صفائی ہو جائے۔ جب نفس کی یہ صفائی ہو جاتی ہے تو نماز اور قرآن کے ذوق شوق سے وہ عابد وزاہد اور بزرگ اور قرآنی فہم کے ماہر ہونے جیسی دعواؤں سے نجات ہے۔

فنا کے اس مقام تک پہنچ جانے کے باوجود اگر طالب کا تلاوت قرآن اور نماز سے انہاک کا تعلق مستحکم نہیں ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ابھی قرب کے مقام تک نہیں پہنچا، یا پھر درمیان میں کوئی ایسا جواب پیدا ہو گیا ہے، جو اس راہ پر آنے نہیں دیتا، اس صورت میں طالب کو مرشد سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے، اگر مرشد

حیات نہ ہو تو کسی کامل اہل اللہ سے رجوع ہو کر، اس سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے۔  
اس مکتوب میں راہ سلوک کی یہ پوری ترتیب بیان فرمائی گئی ہے، طالب کو  
اپنے حالات اسی معیار پر پرکھنے چاہئے۔ (مرتب)

### طبعی خواہشوں کا عبادیت کا منافی نہ ہونا

جب تک طبیعت باقی ہے، خواہشیں قائم ہیں۔ گرمی کے وقت طبیعت  
بے اختیار، سردی کی طرف مائل ہوتی ہے اور سردی کے وقت گرمی کی رغبت  
ہوتی ہے۔ اس قسم کی خواہشیں عبادیت کے خلاف اور خواہشات نفس کے غلبہ کا  
سبب نہیں ہیں، اس لیے کہ طبیعی ضروریات تکلیف کے دائرہ سے خارج اور نفس کی  
خواہشات امارہ سے باہر ہیں۔ خواہشات نفس (کا تعلق) ضرورت سے زائد چیزوں  
سے ہے یا مشتبہ یا حرام سے، اور جو ضروری چیزیں ہے، اس سے نفس کا کوئی تعلق  
نہیں ہے۔ پس نفس کی گرفتاری و بدکرداری فضول اعمال سے پیدا ہوتی ہے، اگرچہ وہ  
مباح ہو، اس لیے کہ ضرورت سے زائد کا حرام سے پڑوں کا تعلق ہے۔ اگر بنہ  
اپنے لعین دشمن، شیطان کے بہکانے سے فضول مباح سے آگے قدم رکھے گا تو  
بے اختیار حرام چیزوں میں داخل ہوگا، پس مباح ضروری پر قاععت کرنا چاہئے کہ  
اگر اس مقام سے لغفرش ہوئی تو فرد (زیادہ سے زیادہ) فضول مباح میں گرے گا اور  
اگر فضول مباحثات میں سے تعلق ہوگا تو غلطی سے لامحالہ حرام کے دائرے میں مبتلا  
ہو جائے گا۔ (مکتوب ۲۷ دفتر سوم ملائی کشمی)

### تشريع

طبعی خواہشیں ایسی ہیں، جن سے انسانی زندگی کی بقا وابستہ ہے، کھانا پینا،  
سونا، جائز جنسی خواہشات کی تسلیکیں وغیرہ، ان سے فرار ممکن نہیں، البتہ اس طرح کی  
طبعی خواہشات کا غلبہ اور ان کی تمجیل کے لئے حریصانہ صورت غلط ہے، یہ فرد کے

لنے حدود سے تجاوز کرنے کا موجب بن سکتا ہے۔ (مرتب)

### مومن کے قلب میں اللہ کی طرف سے واعظ کا مقرر ہونا

بعض خواہشات ایسی ہیں کہ ان کا حصول خارج سے ہوتا ہے..... اور خارج  
یا واعظ اللہ تعالیٰ ہے، جو نیکیوں کا القا کرتا ہے، اس لیے کہ (حدیث کی رو سے) ہر  
مومن کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک واعظ موجود ہے۔ یا وہ خارج  
شیطان ہے کہ اس کا القاء، شر اور عداوت ہوتی ہے۔ (قرآن مجید میں ارشاد فرمایا  
گیا ہے) ”شیطان ان سے (اپنے تبعین سے) وعدہ کرتا ہے اور ان کو خواہشوں  
میں مبتلا کرتا ہے اور شیطان ان سے نہیں وعدہ کرتا ہے مگر دھوکے کا۔ (ایضاً)

### تشريع

اللہ نے ہر فرد میں خیر اور شر دونوں قوتیں ودیعت کی ہیں۔ نیکی کی طرف  
بڑھنے والے کے لئے خیر کے راستے کھوں دیئے جاتے ہیں۔ اور اس پر نیکیوں کا  
الہام ہونے لگتا ہے۔ فرد، جب نیکی کی راہ پر پورے ذوق و شوق سے چلتا ہے اور  
تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ باطن کی گھبراویں میں کوئی قوت  
موجود ہے، جو اس راہ پر مستعدی سے چلنے پر ابھارتی رہتی ہے اور ایک نیکی  
کے بعد دوسری نیکی، دوسری نیکی کے بعد تیسرا نیکی کے لئے اسکاتی رہتی ہے۔

جب کہ شر کی راہ پر گامزن ہونے والے کے لئے شر کے راستے آسان  
کر دیئے جاتے ہیں۔ (مرتب)

### نفس امارہ کی طرف سے اطاعتِ شیطان کی چاہت کا ہونا

ہر وہ فساد، جو نفس امارہ کی طرف سے ہو، وہ ذاتی مرض ہے، سم قاتل ہے اور

بندگی کے مقام کے منافی ہے اور ہر وہ فساد جو باہر سے آئے، اگرچہ وہ القائے شیطانی ہو، اس کی حیثیت عارضی امراض کی سی ہے، جو معمولی علاج سے زائل ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ لَكَانَ ضَعِيفًا.** (بیشک شیطان کا مکر کمزور ہے) ہمارا نفس ہمارے لیے بڑی بلا ہے اور ہمارا جانی دشمن، ہمارا سب سے بُرا ساختی یہی ہے۔ باہر کا دشمن اسی کی مدد سے ہی ہم پر حاوی ہوتا ہے۔ وہ اسی نفس کی اعانت سے ہم کو ہمارے مقام سے ہٹاتا ہے۔ سب سے جاہل چیز نفس امارہ ہی ہے، جو اپنا ہی بدخواہ ہے، اس کا کام اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے اور اس کی بڑی تمنا حق تعالیٰ کی نافرمانی کرنا ہے، جو کہ اس کا اور اس کی نعمتوں کا مالک ہے۔ نیز شیطان کی اطاعت بھی نفس امارہ کی چاہت ہے، وہ شیطان جو کہ اس کا دشمن جانی ہے۔ جانا چاہئے کہ ذاتی نوعیت کے عارضی مرض نیز داخلی فساد اور خارجی فساد کے درمیان تمیز کرنا بہت دشوار کام ہے۔ اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ناقص فرد اپنے باطل خیال کی بنا پر خود کو کامل سمجھ کر اپنے ذاتی مرض کو عارضی مرض سمجھ بیٹھے۔ میں اس راز کے لکھنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا اور اس حقیقت کا اظہار مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ سترہ سال کے قریب ہو گئے ہیں، خود استباہ میں تھا اور ذاتی فساد کو عارضی فساد دکھا دیا اور ذاتی مرض کو عارضی مرض سے جدا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اس نعمت پر اور اس کی تمام نعمتوں پر۔ (ایضاً)

### تشریح

اس مکتب کا حاصل یہ ہے کہ فساد کی اصل جڑ نفس اور اس کی قوت ہے، نفس کی قوت کی موجودگی میں باطن میں فساد کی اصل موجود رہے گی، خارجی دشمن وہ چاہے شیطان ہو یا مادیت پرستی کی قوتیں، ان کے حملے عارضی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ نفس کی چاہت ہوتی ہے کہ وہ خارجی دشمن اس کے معافون بن جائیں، تاکہ

داخل میں موجود رحمانی قوتوں کے اثرات اور دل اور روح کی محظوظ کی طرف کشش کو معطل کر کے ختم کر دیا جائے، اس لئے نفس کی داخلی خوفناک قوتوں کو بچکر، بہت سے اس سے مقابلہ کی ضرورت ہے، دوسری صورت میں یہ نفس، فرد کی اس دنیا اور آخرت کی دائمی زندگی میں ہلاکت کا ذریعہ ہو گا۔ موجود دور میں مادیت پرستی کی خارجی قوتوں نے جوشکل اختیار کر لی ہے، اس نے نفس کی قوتوں کو مزید خوفناک بنا دیا ہے اور فرد و افراد پر ہر وقت جنسی جذون، مادی لذتوں میں فناختی اور دنیاوی نعمتوں سے آخری حد تک بہرہ ور ہونے کی خواہشات کو غالب کر دیا ہے۔ (مرتب)

### کچھ اہم ہدایتیں

نصیحت جو کی جا رہی ہے، وہ یہ ہے کہ اول علمائے اہل سنت و جماعت، جو کہ فرقہ ناجیہ ہیں، کی آراء کے مطابق، عقائد صحیح ہوں، عقائد کی صحت کے بعد فقهی احکام کے تقاضوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔ (شریعت کی طرف سے) جس کا حکم دیا گیا ہے، اس کی بجا آوری اور جس سے باز رکھا گیا ہے، اس سے اجتناب کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ پانچ وقت کی نماز بغیر سستی و تقصان کے، اس کے شرائط کی رعایت کرتے ہوئے اور تعلیل اركان کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا کی جائے۔ سونا چاندی نصاب کے مطابق ہوتا زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے عورتوں کے زیور میں بھی زکوٰۃ دینے کو فرمایا ہے۔ اپنے اوقات کو ہو ولعب میں صرف نہ کرنا چاہیے اور لا یعنی چیزوں میں قیمتی عمر کو ضائع نہ کیا جائے۔ چہ جائے کہ ان چیزوں میں زندگی صرف کی جائے، جن کے کرنے سے (بہت زیادہ) منع کیا گیا ہے اور جو شرعی اعتبار سے ممنوع ہیں۔ سر و دنگہ کی طرف رغبت نہ کرنی چاہیے اور نہ اس کی لذت پر فریفہت ہوا جائے۔ اس لیے کہ یہ ایک ایسا زہر ہے، جو شہد اور شکر ملا ہوا ہے۔ غیبت اور چلخوری سے اپنے کو محفوظ رکھیں، اس لیے کہ ان دو

بداخل قبوں پر شرعی وعیدیں وارد ہوئی ہیں، جھوٹ بولنے اور بہتان باندھنے سے بھی اجتناب ضروری ہے، اس لیے کہ یہ دونوں خراب عادتیں سارے ادیان میں حرام ہیں اور ان کے کرنے والوں کے لیے بہت سی وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ مخلوق کے عیبوں اور گناہوں کو دبانا، چھپانا اور ان کی لغوشوں سے چشم پوش کرنا نیکی کے کاموں میں سے ہیں، غلاموں، کنیروں اور نوکروں پر شفقت اور مہربانی کی جائے ان کے قصوروں کو معاف کیا جائے، موقع بے موقع ان بیچاروں کو مارنا، برا بھلا کھانا اور تکلیف واذیت پہونچانا غیر مناسب بات ہے۔ اپنے قصوروں پر نظر کرنا چاہیے کہ جناب قدس خداوندی میں ہر ساعت واقع ہوتی رہتی ہیں (پھر بھی) اللہ تعالیٰ ان قصوروں کی سزا میں جلدی نہیں فرماتا اور رزق کا دروازہ بند نہیں کرتا۔ عقائد کی صحت اور احکام فقیہ کی ادائیگی کے بعد اپنے اوقات کو ذکر الہی میں مستغرق رکھنا چاہئے اور جس طریقہ پر ذکر خدا کو ہم نے اخذ کیا ہے، اسی طرح ذکر کرنا چاہیے۔ ذکر کے خلاف جو چیز بھی ہو، اس کو اپنا دشمن سمجھ کر اس سے اجتناب لازم ہے۔

ہرچہ جز ذکر خدائے احسن است

گر شکر خوردن بود جاں کندن است  
خداوند قدوس کی یاد کے سوا جو کچھ ہے، اگر مٹھائی کھانا بھی ہے تو بس جان بر باد کرنا ہے۔ (مکتب ۳۲ دفتر سوم بنام والدہ میر محمد امین)

### تشریح

اس مکتب میں ساری ہدایات ایسی ہیں جو بہت اہم ہیں۔ ان ہدایات پر عمل پیرا ہونے کے لئے ایمان کی قوت مطلوب ہے۔ یہ ایمان، کثرت ذکر ہی سے پیدا ہوگا، جس کی مکتب کے آخر میں تاکید فرمائی ہے۔ کثرت ذکر، فرد کو ہر بُرائی سے بچنے اور ہر قسم کی نیکی کرنے پر ابھارنے کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔ (مرتب)

## کفر کے بعد حق تعالیٰ کو سب سے زیادہ رنجیدہ کرنے والی چیز

قلب، حق سماں کا ہمسایہ ہے اور قلب کی مانند کوئی چیز جناب اللہ تعالیٰ سے نزدیک تر نہیں ہے۔ پس انسانی قلب کو ستانے سے پوری طرح پر ہیز کرو، خواہ کوئی بھی ہو، مطمع ہو یا عاصی۔ اس لیے کہ ہمسایے کی حمایت و حفاظت کی جاتی ہے، اگرچہ وہ عاصی کیوں نہ ہو۔ پس قلب کو ایذا پہنچانے سے ڈرو اور بہت ڈرو، کیونکہ کفر کے بعد کوئی گناہ ایسا نہیں ہے، جو حق تعالیٰ کو انسانی قلب کو تکلیف پہونچانے سے زیادہ ہو، اس لیے کہ قلب ایک ایسی قریب ترین شے ہے، جس کے ذریعے افراد، حق تعالیٰ سے واصل ہوتے ہیں۔ ساری مخلوق بندگانِ خدا میں شامل ہے۔ اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ کسی غلام کو مارنا اور اس کی توہین کرنا، اس کے آقا کی ایذا کا سبب ہے، پس خیال کرنا چاہیے، اس آقا نے حقیقی کی عظمت شان کا، جو مالک مطلق ہے اور اس کا لحاظ کر کے، اس کی مخلوق میں تصرف نہ کیا جائے، مگر اسی قدر جس کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ اتنا تصرف، ایذا میں داخل نہیں ہے، بلکہ حکم کی بجا آوری میں شامل ہے۔ جیسا کہ بے شادی شدہ زانی کہ اس کی سزا سوکوڑے ہیں، پس اگر کوئی شخص ان سو پر زیادتی کرے گا تو یہ فعل، ظلم اور ایذا میں شامل ہو جائے گا۔ جاننا چاہیے کہ قلب، مخلوق میں سب سے زیادہ افضل و اشرف ہے اور جس طرح مخلوقات میں انسان افضل و اشرف ہے، اس کا فضل و شرف عالم کیسر میں جو کچھ موجود ہے، وہ اس کے اندر موجود ہے، اسی طرح قلب بھی انسان کی تمام چیزوں کو جامع و کمال بسیط و مجمل ہونے کے باعث افضل و اشرف ہے، یعنی انسان میں جو خصوصیت ہے، وہ قلب میں بھی موجود ہے، جس چیز میں اجمال و جمعیت زیادہ ہو تو وہ حق تعالیٰ سے قریب تر ہوتی ہے۔ (مکتب ۴۵ دفتر سوم، بنام مولانا سلطان سرہندی)۔

## تشریح

انسانی قلب کو اذیت پہنچانا، اس اعتبار سے بھی فرد کے لئے نقصانہ ہے کہ اس سے متأثرہ فرد کی آپس فرد کا پچھا کرنے لگتی ہیں، فرد کے لئے انعامات کے راستے مسدود ہونے لگتے ہیں۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ موجودہ دور میں افراد کے قلب کو اذیت پہنچانا عام ہو گیا ہے۔ افراد نے اس کو و تیرہ بنا لیا ہوا ہے، یہ المناک بات ہے، انسانی معاشروں سے خیر و برکت کے اٹھ جانے کا ایک بڑا سبب یہی ہے۔ (مرتب)

## دنیا کے پیچھے بھاگنے والے کی حالت زار پر اظہار رنج

فقر کی تنگیوں سے بھاگ کر انگیا کے پاس اپنی التجالے گئے اور نفس کی لذتوں و نعمتوں سے سازباز کر لی ہے۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔ (انہوں نے اس سلسلے میں اچھی طرح غور نہیں کیا ہے، اگر وہ مالداروں کی صحبت میں رہ کر بہت ترقی کریں گے تو ہزاری ہو جائیں گے۔ راجہ مان سنگھ سے اوپر نہیں ہو سکتے، جو کہ بیٹھ ہزاری یا ہفتہ ہزاری منصب رکھتا تھا۔ اور بالفرض تم مان سنگھ والے منصب پر بھی پہنچ گئے تو سوچو اور غور کر و تم نے کون سا کارنامہ انجام دیا اور کون سی بزرگی حاصل کر لی؟ کیا نقیری کی حالت میں روئی نہیں ملتی تھی؟ اب (زیادہ سے زیادہ) یہ ہو گیا کہ کھی سے تر کی ہوئی روئی کھار ہے ہو۔ وہ حالت بھی گذر گئی، یہ حالت بھی گذر جائے گی، لیکن تصور تو کرو کہ تمہارے ہاتھ سے کیا چیز نکل گئی اور برابر نکلتی جا رہی ہے اور تم پہلے سے زیادہ مفلس ہو رہے ہو۔ جو شخص اپنے نقصان پر راضی ہو، وہ شفقت و ہمدردی کا مستحق نہیں ہوتا۔ اب جبکہ تم اس حالت میں بیٹلا ہو ہی گئے تو اس امر کی کوشش کرو کہ استقامت کا راستہ اور شریعت کا اہتمام تمہارے ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے اور باطنی شغل میں بھی کوئی خلل نہ واقع ہو۔

اگرچہ دنیا کے ساتھ اس بات کا جمع کرنا مشکل ہے، اس لیے کہ یہ تو صدین کا جمع کرنا ہے۔ لیکن اتنا ہے کہ یہ وضع اور حالت جو تم نے اختیار کر لی ہے اور یہ کار خدمت جس کی جانب تم اب متوجہ ہو، اگر اس میں صحیح کر لی جائے گی تو داخل جہاد ہو کر نیک عمل بن جائے گا۔ لیکن صحیح نیت ہے مشکل کام۔ آج تو تمہارے پرورد یہ خدمت ہے، جو فی الجملہ اچھی ہے، کل کو شاید کوئی اور ڈیوٹی لگادی جائے، جو عین وبال ہو۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ مشکل کام ہے ہشیار رہیں۔ خبر کرنا شرط ہے۔ (مکتب ۵۵ دفتر سوم بنام مریم ز خان افغان)

## تشریح

اس مکتب میں سرکاری منصب قبول کر کے، اپنی مصروفیات میں اضافہ کرنے اور مصروفیات کے ساتھ نفس سے معمر کہ آرائی کر کے وصول الی اللہ کی منزل کو دشوار تر فرمایا گیا ہے۔ نفس سے مقابلہ کر کے نفس مطمئنہ تک رسائی کے لئے تو ضروری ہے کہ فرد، مادی آسائشوں اور مادی نعمتوں کی قربانی دے اور ان سے دستبرداری اختیار کرے، ورنہ مادی خوشحالی اور محظوظ حقیقی کا ملنا، بیک وقت ان دونوں کا حاصل ہونا دشوار تر ہے۔ افراد کا بڑا الیہ یہ ہے کہ ان پر ہر وقت مادی دنیا سے بھر پور استفادہ کا مزاج غالب رہتا ہے۔ دنیادار دوستوں کی صحبت اور عام لوگوں کی دنیادارانہ روشن فرد کو دنیا پر ٹوٹ کر گرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس طرح فرد اپنی بیشتر توانائیاں چند روزہ زندگی کو بہتر بنانے میں صرف کر کے، دائمی زندگی کے خسارہ سے دوچار ہونے لگتا ہے۔ یہ انسان اور انسانیت کی ایسی المناک کہانی ہے، جس سے انسانوں کی بہت بڑی اکثریت کی تاریخ وابستہ ہے۔

اس مکتب سے ایک اہم نکتہ جو واضح ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ جو شخص حکمرانوں، سرکاری افسروں اور مالداروں کے گھیراؤ میں رہتا ہو، وہ چاہے جزوی طور پر راہ سلوک میں ہی کیوں نہ ہو، وہ حالت خطرہ میں ہے۔ اور مالداروں کی صحبت، حب

دنیا کے حوالے سے ان کے جذبات میں موجز پیدا کرے گی، اور مالداروں کی طرح دنیا کو نصب اعین بنانے سے بچنا، اس کے لئے غیر معولی طور پر دشوار ہو گا۔ دنیا دار اور مادیت پرست افراد کے گھیرے میں رہتے ہوئے ان کے اثراتِ ظلمات سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے، وہ ہے عالمِ ربانی اور اہل اللہ سے صحبت کا منضم تعلق قائم ہونا۔

اس تعلق کی وجہ سے ذکر و فکر اور عبادت کی سعادت حاصل ہوتی رہے گی اور اور دنیا پرستی کے ظلمات کے اثرات ان شاء اللہ زائل ہوتے رہیں گے۔ دوسرا صورت میں حبِ جاہ و حسبِ مال کے بڑھتے ہوئے جذبات سے رکنے کی صورتیں مسدود ہو جائیں گی، اہل اللہ کا یہی تجربہ و مشاہدہ ہے۔ جس کی وجہ سے وہ طلبہ کو دنیاداروں کی صحبت اختیار کرنے، مالدار سے مالدار تر بننے اور دنیاوی عہدوں پر فائز ہونے سے بڑی شدومد کے ساتھ روکتے رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمارے اپنے مشاہدات بھی کافی تیخ ہیں، پچھلے چالیس سال کے دوران ایسے بیسوں نوجوان ہیں، جن کی تربیت کی کوشش کی، بعض افراد پندرہ سال تک ہمارے ساتھ وابستہ رہے، لیکن چونکہ ان پر یہ جنوں سوار تھا کہ وہ بیسوں گریڈ تک پہنچیں اور سروس بھی ایسی ہو، جہاں عزت و شہرت اور دولت حاصل ہو، چنانچہ اچھی سروں اور بہتر گریڈ ملنے کے بعد وہ پوری طرح دنیاداری کی راہ پر گامزن ہو گئے، اور برسوں کے رابطے لمحوں میں توڑ دیئے۔ (مرتب)

### جمہور علماء اہل حق سے مطابقت

کتاب و سنت سے جمہور علماء اہل حق یعنی علماء اہل سنت و جماعت نے جو معافی و مطالب سمجھے ہیں، وہی معانی و مطالب برقرار رکھنا ضروری ہیں۔ اگر فرض کرو کشف والہام سے ان معانی و مطلب کے خلاف کوئی معنی ظاہر ہوں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ ایسی بات سے پچکر پناہ خداوندی کو ڈھونڈنا چاہئے۔ (مکتب ۲۸۶ بنام امام اللہ فقیر)

”میں نے یہ جو کہا ہے کہ علماء حق کے سمجھے ہوئے معانی قابل اعتبار ہیں اور ان کے خلاف معتبر نہیں، اس وجہ سے کہا ہے کہ علماء حق نے ان معانی کو صحابہ کرام اور سلف صالحین کے اقوال کی تلاش و جستجو کر کے لیا ہے اور ان ہدایات کے ستاروں (صحابہ کرام) کے انوار سے استفادہ کیا ہے۔ الہذا نجات اخروی اور فلاح سرمدی ان علماء حق کو نصب ہوئی۔ یہ اللہ والوں کا گروہ ہے اور اللہ والوں کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔ اگر کچھ علماء اپنے اعتقاد کو صحیح رکھتے ہوئے فروعی مسائل میں کچھ سستی بر تین اور اعمال میں کوتاہی کا ثبوت دین تو اس سے تمام علماء سے بر گشتہ ہونا اور سب کو نشانہ ملامت بانا محض بے انصابی اور دھاندھلی کی بات ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس صورت میں ضروریات دین سے ایک قسم کا انکار پایا جاتا ہے، اس لئے کہ یہ علماء ہی تو ضروریات دین کو ہم تک منتقل کرنے اور کھرے کھوٹے کو پہنچانے والے ہیں، اگر علماء حق کا نور ہدایت نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاسکتے۔ وہ حضرات صحیح و غلط کو جواز کرتے تو ہم گمراہ ہو جاتے۔ علماء حق ہی نے دین مبین کا کلمہ بلند کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کی ہے۔ انہوں نے ہی کثیر التعداد لوگوں کو صراطِ مستقیم پر چلایا ہے، پس جس نے ان حقانی علماء کی پیروی کی وہ نجات پا گیا اور جس نے ان کی مخالفت کی، وہ خود گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا، اور جس طرح اعتماد بہ طابق کتاب و سنت ضروری ہے، اسی طرح کتاب و سنت پر عمل بھی اس طریقے پر کرنا ضروری ہے، جس طرح انہمہ مجھدین نے کتاب و سنت سے احکام اخذ کر کے بتایا ہے۔

ایک مقلد کو یہ حق نہیں ہے کہ مجھد کی رائے کے خلاف خود کتاب و سنت سے احکام اخذ کر کے اس کے مطابق عمل کرے۔ (ایضاً)

### تشريع

اس مکتب میں سلف صالحین کی دینی تشریحات، قرآن و حدیث کے ان کے

متعین کردہ معنی و مفہوم کی صحت پر زور دیا گیا ہے، اس لئے کہ انہوں نے صحابہ کرام، تابعین کرام اور نور نبوت کے اجزاء سے ہی یہ معنی و مفہوم اخذ کیا ہے۔ حضرت مجدد کا بیان کردہ یہ نکتہ ایسا ہے، جو فہم دین اور تعبیر دین و تشریع دین کے بارے میں فیصلہ کن اہمیت کا حامل ہے، اس نکتہ کی خلاف ورزی کی نتیجہ میں ایک تو قرآن و سنت کا متعین کردہ وہ مفہوم، اس کی صحیح نصب العینی تشریع، اس کے صحیح اہداف اور فرائض و واجبات کا وہ تسلسل، جس پر امت صدیوں سے گامزن رہی ہے، اس سے انحراف کی روشنی پیدا ہو جاتی ہے، دوم یہ ہے کہ دین کی نئی نئی تعبیرات اور نئے نئے مقاصد متعین ہونے لگتے ہیں، سوم یہ کہ تعبیر دین و تشریع دین کے نام پر امت میں نئی نئی گروہ بندیاں وجود میں آنے لگتی ہیں، جو اپنے علاوہ دوسروں کی تکنیک کی راہ پر گامزن ہوتی ہیں۔

چوتھے یہ کہ سلف صالحین کی مسلمہ اہمیت کے مجرود ہو جانے کی وجہ سے ان کے علوم سے بے بھری کی وجہ سے سزا ملنے لگتی ہے کہ دین کے نام پر ایک دوسرے سے تصادم کی فضا غالب ہو جاتی ہے، دین کے نام پر نفس پرستی کی داخلی قوتوں کا ادراک سلب ہو جانے کی وجہ سے ان کا غلبہ ہونے لگتا ہے، دین کے نام پر شخصیت کی تغیر و استحکام کی بجائے چند ظاہری مراسم پر ہی ساری توانائیاں صرف ہونے لگتی ہیں۔

سلف صالحین کے دینی مفہوم اور دینی مقاصد سے بہت کر، نئے دینی مقاصد متعین کرنے کے پس پرده جو چیز کا فرمایا ہوتی ہے، وہ اکثر دعویٰ کا جذبہ ہی ہوتا ہے، یہ دعویٰ ہی اہل علم کو خود رائی کے ذریعہ اپنی ذہانت اور اپنے علم سے دین کے نئے معنی و مفہوم اور نئے مقاصد متعین کرنے پر اکساتی ہے۔

کتنا بڑا نقصان ہے، جو اہل علم کے دعویٰ اور علمی زعم کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، جس کی سزا امت کو تقسیم اور سلف کے صحیح دینی فہم سے دوری کی صورت

میں ملتی ہے۔

خارجیت جدید ہو یا قدیم، خارجیت کی پرانی شکلیں ہوں یا نئی شکلیں، وہ سب علمی زعم اور دعویٰ ہی کا نتیجہ ہوتی ہیں، یہ دعویٰ ہی ہوتی ہے، جو خارجی ذہن کے حامل افراد کو صحابہ کرام اور سلف صالحین کے دینی فہم کو ناقص قرار دے کر، اپنے فہم سے دین کے نئے معنی و نئے مقاصد متعین کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اسی لئے علمائے ربانی نے دعویٰ و تکبیر کو ام الامر ارض قرار دیا ہے، دعویٰ اور تکبیر کی ان خطرناکیوں کو دیکھا جائے تو اس کی اصلاح کی اہمیت کتنی واضح ہوتی ہے کہ اس کے بغیر اہل علم معاشرہ کو اپنے ظاہری علم کی وجہ سے جتنا بھی نقصان پہنچا سکیں، کم ہے۔

اس پس منظر میں حضرت مجدد کا بیان کردہ یہ نکتہ کہ سلف صالحین کے دینی مفہوم کو حرف آخر سمجھکر، اس پر مستحکم ہونا، یہ ایمان کی سلامتی کے لئے ضروری ہے، نہایت اہم نکتہ ہے۔ جسے ہر صورت میں پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

اس کا سبب یہ بھی ہے کہ علمائے ربانی سے علوم حاصل کئے بغیر ایک تو صحیح دینی مقاصد اور صحیح دینی اہداف معلوم نہیں ہوتے۔ دوم یہ کہ نفس کے خلاف مجاہدے نہ ہونے وجہ سے علم کی زیادتی کی وجہ سے نفس کی قوت عالم و فاضل ہونے کی حیثیت سے پوری شدت سے کارفرما ہونے لگتی ہے اور اہل علم کو اطلاع ہوئے بغیر وہ امت کے پورے تسلسل کے خلاف اسلام کی ایسی تشریع کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، جس سے امت کا تسلسل متاثر ہوتا ہے اور دینی مقاصد بدل جاتے ہیں۔

قرآن کی ایسی تشریع، جس میں اپنے دور کے حالات و ضروریات اور نظریات سے شعوری یا غیر شعوری طور پر متاثر ہو کر، جدیدیت سے ہمہ آنگلی پیدا ہو یا قرآن کی تشریع میں اسلام کے کسی ایک فرض کو دین کے نصب اعین کی حیثیت سے پیش کر کے، ساری دینی تعلیمات کو اس کے تابع کر دیا گیا ہو، یہ کام چاہے کتنے ہی اخلاص سے کیا گیا ہو، بظاہر چاہے اس سے کتنے ہی مفید اثرات محسوس ہوتے ہوں،

لیکن قرآن کی یہ تشریع بھی دین کے نام پر معاشرہ میں نئے گروہوں کو جنم دے گی اور سلف کی قرآنی تشریع سے مختلف ہونے کی وجہ سے سلف کے تسلسل سے انحراف کا موجب ہوگی اور قرآن کی روح اور اس کے مقاصد کے منافی ہوگی۔ حضرت مجدد کا یہ مکتب ہم سب کے لئے لمحہ فکر یہ ہے کہ دینی مقاصد کے فہم اور دین کی ترتیب اور فرائض و واجبات کے ان کے متعین کردہ نقوش سے سرمو انحراف بھی فرد و افراد اور خود امت کو نقصان عظیم سے دوچار کرنے کا موجب ثابت ہوگا۔ مرتب)

### دور ابتلاء میں اپنے فرزندوں کے نام مکتب گرامی

”الحمد لله رب العلمين في السراء والضراء وفي اليسر وفي العسر والنعمة والنفقة وفي الرحمة والزحمة وفي الشدة والرخاء وفي العطية والبلاء والصلوة والسلام على من ما أو ذى نبى مثل ايداته وما ابتلى رسول مثل ابتلائه ولهذا صار رحمة للعلميين وسيد الاولين والاخرين.“

ترجمہ: خوشی اور رنج اور تنگی و فراغی اور نعمت و عذاب اور رحمت و زحمت اور دکھ و سکھ اور عطا و بلا میں اللہ رب العلمین کی حمد ہے اور صلوٰۃ وسلم ہو اس رسول ﷺ پر جس کے برابر کسی اور رسول کو ایذا نہیں دی گئی اور نہ ہی اس جیسا کوئی نبی بلاء میں مبتلا ہوا ہے، اسی واسطے تمام اہل جہان کے لئے رحمت اور اولین و آخرین کے سردار بن گئے۔

اے فرزندان عزیز! ابتلا کا وقت اگرچہ تلخ و بے مزہ ہوتا ہے، لیکن اگر فرصت دیں تو غنیمت ہے، تم کو اب فرصت مل گئی ہے، اللہ تعالیٰ کی حمد بجالا کر، اپنے کام میں لگے رہو اور ایک دم بھی فراغت و آرام اپنے لئے پسند نہ کرو، اور تین چیزوں میں سے ایک میں ضرور مشغول رہو، قرآن مجید کی تلاوت کرو یا لمبی قرأت کے ساتھ نماز کو ادا کر دیا گلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کا تکرار کرتے رہو۔

گلمہ ”لا الہ“ کے ساتھ حق تعالیٰ کے سواتھ تمام جھوٹے خداوں اور اپنے نفس کی نفی کرنی چاہئے، اور اپنی تمام مرادوں اور مقصدوں کو دفع کرنا چاہیے، کیونکہ اپنی مراد کا طلب کرنا، اپنی الوہیت کا دعویٰ کرنا ہے، بلکہ سینہ میں کسی مراد و خواہش کی گنجائش نہ رہے اور دل میں کوئی ہوس باقی نہ رہے، تاکہ بندگی کی حقیقت حاصل ہو، اپنی مراد کا طلب کرنا گویا اپنے مولا کی مراد کو دفع کرنا اور اپنے مالک کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے، اس امر میں اپنے مولیٰ کی نفی اور اپنے مولا بننے کا اثبات ہے۔

اس امر کی برائی اچھی طرح معلوم کر کے، اپنی الوہیت کے دعویٰ کی نفی کرو تاکہ تمام ہوا وہوں سے کامل طور پر پاک ہو جاؤ، اور طلب مولیٰ کے سواتھ مباری کوئی مراد باقی نہ رہے، یہ مطلب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بلاء و ابتلاء کے زمانہ میں بڑی آسانی سے میر ہو جاتا ہے اور اس زمانے کے سوا ہوا وہوں سد سکندری ہے۔

گوشہ میں بیٹھ کر اس کام میں مشغول رہو کہ اب فرصت غنیمت ہے، فتنہ کے زمانے میں تھوڑے کام کو بہت اجر کے عوض قبول کر لیتے ہیں اور فتنہ کے زمانے کے سواتھ ریاضتیں اور مجاہدے درکار ہیں، اطلاع دینا ضروری ہے، شاید ملاقات ہو یا نہ ہو، یہی نصیحت ہے کہ کوئی مراد وہوں باقی نہ رہے، اپنی والدہ کو بھی اس امر پر اطلاع دے دو اور اسے اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دو، باقی احوال چونکہ یہ جہاں فانی اور گذرنے والا ہے، کیا لکھے جائیں، چھوٹوں پر شفقت رکھو اور ان کو پڑھنے کی ترغیب دو، اور جہاں تک ہو سکے، تمام اہل حق کو ہماری طرف سے راضی کرو اور ایمان کی سلامتی کی دعا سے مدد و معاون رہو۔

بار بار یہی لکھا جاتا ہے کہ اس وقت کو بے ہودہ امور میں ضائع نہ کرو، اور ذکر الہی کے سوا کسی کام میں مشغول نہ ہو، اب کتابوں کے مطالعہ اور طلباً کے تکرار کا وقت نہیں ہے، اب ذکر کا وقت ہے، تمام نفسانی خواہشوں کو جو جھوٹے خدا ہیں، لا کے نیچے لا کر سب کی نفی کر دو اور کوئی مراد و مقصود سینے میں باقی نہ رہنے دو، حتیٰ کہ

میری خلاصی بھی جو کہ تمہارے لئے نہایت ضروری ہے، تمہاری مراد و مطلوب نہ ہو، اور حق تعالیٰ کی تقدیر اور فعل اور ارادہ پر راضی رہو، اور کلمہ طیبہ کے اثبات کی جانب میں غیب ہویت کے سوا جو تمام معلومات و مختیارات کے وراء الوراء ہے کچھ نہ رہے۔ حوالی و سرائے و چاہ و باع اور کتابوں اور دوسری تمام اشیاء کا غم سہل ہے، ان میں سے کوئی چیز تمہارے وقت کی مانع نہ ہو اور حق تعالیٰ کی مرضیات کے سوا تمہاری کوئی مراد و مرضی نہ رہے، اگر مرجاتے تو یہ چیزیں بھی چلی جاتیں، بہتر ہے کہ ہماری زندگی میں چلی جائیں، تاکہ کوئی فکر نہ رہے، اولیاء نے ان امور کو اپنے اختیار سے چھوڑا ہے، ہم حق تعالیٰ کے اختیار سے ان امور کو چھوڑ دیں اور شکر بجالائیں۔

امید ہے کہ مخلصین بفتح لام میں سے ہو جائیں گے، جہاں تم بیٹھے ہو، اسی کو اپنا وطن خیال کرو، چند روزہ زندگی جہاں گذرے، یادِ حق میں گذر جائے، دنیا کا معاملہ آسان ہے، اس کو چھوڑ کر آخرت کی طرف متوجہ رہو اور اپنی والدہ کو تسلی اور آخرت کی ترغیب دو، باقی رہی ایک دوسرے کی ملاقات، اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو ہورہے گی، ورنہ اس کی تقدیر پر راضی رہو اور دعا کرو کہ دارالسلام میں جمع ہوں اور دنیاوی ملاقات کی تلافی کو اللہ تعالیٰ کے کرم سے آخرت کے حوالہ کریں۔

الحمد لله على كل حال۔ (ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے)

### تشریح

دور ابتلا میں اپنے فرزندوں کو لکھے گئے اس خط میں حضرت مجدد نے اپنے پاکیزہ جذبات و احساسات کی عطر منتقل فرمادی ہے کہ یہ چند روزہ زندگی اگر اللہ کے ذکر سے معمور نہیں ہے تو خسارہ ہی خسارہ ہے۔ دنیا کا نفع اور خسارہ بندہ مؤمن کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کثرت ذکر کے بغیر نفس کی دعوائے الوہیت میں فرق واقع ہونا دشوار ہے، کثرت ذکر ہی مقصد ہے اور اسی سے خواہشات نفسانی جو، جوٹھے خدا ہیں، ان سے نجات کی صورت پیدا ہو سکتی ہے اس مکتوب سے ایک اہم

نکتہ جو واضح ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اہل اللہ کو کثرت ذکر کے نور سے ان کے نفس میں جو لطافت پیدا ہوتی ہے اور محبوب حقیقی سے جو قریبی نسبت پیدا ہوتی ہے، نہ صرف یہ کہ اس میں کمی نہ آنے پائے، بلکہ اس میں مسلسل ارتقاء ہو، ذکر کے بارے میں ان کی غیر معمولی فکرمندی کا سبب یہی ہوتا ہے کہ یہ نفس نامراد، محبوب سے تعلق میں کمی نہ آنے دے۔

حضرت مجدد کی طرف سے اپنے فرزند ارجمند، جو خود بزرگوں کی صاف میں منفرد شخصیت کی حامل ہیں۔ جب انہیں ذکر کے سلسلہ میں اتنی شدت سے تاکید کر رہے ہیں تو ہم جیسے عامی افراد کے لئے تو اس تاکید میں مزید شدت آجائی ہے کہ محبوب سے ذکر کے ذریعہ تعلق میں کمی ہرگز نہ آنے پائے، ورنہ یہ نفس نامراد الوہیت کے دعویٰ سے کم پر راضی نہ ہوگا، ہمیں سنبھلنے اور قیمتی وقت کی قدر کرنے کی ضرورت ہے۔ (مرتب)

### محبوب کا عتاب

#### محبوب کے انعام سے زیادہ لذت بخش ہونا

تم نے جفا و ملامت خلق کی شکایت لکھی تھی۔ (برادرم) خلق کی یہ ملامت تو اس صوفیاء کے گردہ کا بجال ہے اور ان کے زنگار کا صیقل ہے، پھر رنجیدگی کا باعث کیوں ہو؟ فقیر جب اُس قلعہ گوالیار میں (بجمم جہانگیر) پیونچا تو شروع شروع میں محسوس ہوتا تھا کہ خلق کے ملامت انوار مختلف شہروں اور بستیوں سے نکل کر سماں بہائے نورانی کی طرح پے در پے پیغام رہے ہیں اور کام کو پستی سے اٹھا کر بلندی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ تم سالہا سال جمالی تربیت کے ساتھ منازل طے کرتے رہے ہو، اب جمالی تربیت کے ساتھ بھی سفر طے کرو اور مقام صبر بلکہ مقام رضا میں رہو۔ بجال و جلال کو مساوی جانو۔ تم نے لکھا تھا کہ ظہورِ فتنہ کے وقت سے (یعنی آپ کے قید میں جانے کے وقت سے) نہ ذوق باقی رہا، نہ حال، (ارے بھائی)

چاہیے تو یہ تھا کہ اب ذوق و حال میں اور اضافہ ہو جاتا، اس لیے کہ محبت کا عتاب محبوب کے انعام سے زیادہ لذت بخش ہوتا ہے۔ تجرب ہے کہ تم بالکل عوامِ الناس کی سی باتیں کرتے ہو اور محبت ذاتیہ سے دور ہو گئے ہو (ایسی باتیں نہ کرو بلکہ) اس کے برخلاف، جلال کو جمال سے بڑھ کر سمجھو۔ مصیبۃ کو انعام سے زیادہ تصور کرو، اس لیے کہ جمال و انعام میں تو محبوب کی مراد ہماری اپنی مراد سے ملی جلی ہوتی ہے، اور جلال اور مصیبۃ میں خالص، محبوب کی مراد و مرضی شامل ہوتی ہے، ہماری مرضی کے خلاف ابتلاء و مصیبۃ کا وقت جمال و انعام کے وقت سے اوچا ہوتا ہے۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ (مکتب ۶ دفتری سوم بنام شیخ بدیع الدین)

### تشريع

اس مکتب میں بہت اہم نکتہ بیان فرمایا گیا ہے، وہ یہ کہ محبوب کی طرف سے پیش آنے والی تکلیف و مصیبۃ اور اس کے جلال کا عکس، یہ محبوب کے انعام سے زیادہ اہم ہوتا ہے، اس لئے کہ محبوب کے جمال اور انعام میں تو فرد کی اپنی مرضی و خواہش شامل ہوتی ہے، جب کہ محبوب کے جلال اور مصیبۃ و تکلیف میں خالص محبوب کی مرضی کی شامل ہوتی ہے۔

اس مکتب میں ان سارے طالبوں کی تربیت فرمائی گئی ہے، جو محبوب کے جلال اور تکلیف کو اپنے لئے عتاب سمجھکر، غیر معمولی طور پر رنجیدہ ہوتے ہیں اور ان پر یاں کے خیالات غالب آنے لگتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ محبوب کی طرف سے ہونے والے رنج و غم و تکلیف میں طالب ہی کی بہت ساری مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ اس سے ایک تو طالب کی تربیت مقصود ہوتی ہے کہ اسے استحکام حاصل ہو، اس کا محبوب کے سوا سب سے رشتہ منقطع ہو، نیز اس کی شخصیت میں یہ صلاحیت پیدا ہو کہ وہ محبوب کی طرف سے پیش آنے والی مصیبۃ اور اس کے جلال و انعام دونوں کو یکساں سمجھنے کی نیکیات کا حامل ہو۔ نیز انعام سے طالب کی وہ ترقی نہیں ہوتی، جو

جلال اور الم سے ہوتی ہے۔

طالب اگر ان نکات کو پیش نظر کئے تو وہ محبوب کے عتاب اور اس کے جلال سے نہ تو مایوس ہو گا، نہ ہی خوف زدہ۔ (مرتب)

### فضیلیت کا معیار

#### اہم بحث

بعض لوگ دوسروں کے کثرت سے فضائل کو دیکھتے ہوئے حضرت صدیق کی افضلیت میں تامل سے کام لیتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اگر افضلیت کا سبب فضائل کا بکثرت ہونا ہوتا تو امت کے بعض لوگ جو بہت سے فضائل رکھتے ہیں، اپنے نبی سے افضل ہوتے ہیں، جن کی ہستی میں یہ فضائل نہیں۔ (مثلاً ساری ساری رات عبادت میں مصروف ہونا، ہمیشہ روزوں کی حالت میں رہنا۔ وغیرہ۔ مرتب)

پس معلوم ہوا کہ افضلیت کا باعث ان فضائل اور مناقب کے سوا کچھ اور چیزیں ہیں اور اس فقیر کی نظر میں وہ چیزیں دین کی سب سے زیادہ تائید کرنا اور اللہ کے دین کے فروع کے لئے مال و جان خرچ کرنے میں پیش پیش ہونا ہے، چونکہ پیغمبر ﷺ امت کے پیشوادہ بادی ہیں، اس لئے آپ سب سے افضل ہیں، اسی طرح جو شخص ان معاملات میں سب سے آگے ہے، وہ دوسروں سے افضل شمار ہو گا، سابق یعنی پہلا شخص گویا امر دین میں پچھلوں کا أُستاد و معلم ہے۔ بعد کے لوگ ان کے انوار سے استفادہ کرتے ہیں اور ان کی برکات سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ چونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اس دولت عظیمی کے صاحب حضرت صدیق اکبرؒ ہی ہیں، جو دین کی تائید و مدد اور حضرت سید المرسلین ﷺ کی مدد اور اور رہائی کے خاتمه کے سلسلہ میں جان و مال کے خرچ کرنے اور اپنی عزت و جاہ کی پرواہ نہ کرنے میں تمام سابقین میں سب سے آگے ہیں، اس لئے سب پر آپ کی فضیلیت مسلم ہے اور چونکہ حضور ﷺ نے فروع اسلام اور غلبہ اسلام کے لئے حضرت فاروقؓ کی مدد طلب کی ہے اور حق تعالیٰ نے عالم اسباب میں اپنے جبیب کی مدد کے لئے انہی کو کافی سمجھا ہے۔ (اس

لے اس کے بعد انہی کا مرتبہ ہے) (نام میر محمد نعمان، مکتوب ۹۹ دفتر دوم)  
تشریح

حضرت مجدد کے اس مکتوب سے ایک اہم نکتہ جو عیاں ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ کے دین کے غلبہ اور فروغ کا کام ایسا ہے، جو فردوافراد کے درجات کی بلندی اور فضیلت کا ذریعہ ہے۔ حضرت ابا بکر صدیق اور حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ میں جو کردار ادا کیا، وہ چونکہ سب سے زیادہ ہے، اس سلسلہ میں ان کی سرفوشی، جانشنازی اور فدائکاری بے مثال ہے۔ اس لئے امت میں افضیلت کا مقام انہی حضرات کو حاصل ہے۔

اس نکتہ کو بنیاد بنا کر، اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ شخصیتیں جو اللہ کے دین کے غلبہ و فروغ کے لئے اخلاص و بے نفسی کے ساتھ اپنی ساری توانائیاں صرف کرتی ہیں، وہ ان خلوت نشینوں سے افضل ہیں، جو دنیا سے بے نیاز ہو کر، گوشہ نشین ہیں اور صرف و صرف محبت میں مستقر ہیں۔ جہاں تک اصلاح نفس کے لئے کچھ عرصہ کے لئے خلوت کا تعلق ہے تو وہ تو ایک حد تک ضروری ہے، لیکن قابل ذکر حد تک اصلاح کے بعد بھی دعوت دین اور فروغ دین کے کاموں سے دلچسپی نہ رکھنا، یہ اللہ کے دین کی مظلومیت کے احساس سے عاری ہونے کی علامت ہے۔

موجودہ دور میں دیکھا گیا ہے کہ اچھے خاصے بزرگوں کو مرید بنانے کے کام سے تو غیر معمولی دلچسپی ہے، لیکن مریدوں کی تربیت کی فکر کا ہونا، ان کی صحیح خطوط پر ذہن سازی کرنا اور مختلف میدانوں میں دین کو درپیش خطرات اور چیلنج کو سمجھنے اور اس سلسلہ میں اپنے کردار کی ادائیگی کی فکر نہ ہونے کے برابر ہے۔ حالانکہ بزرگی کے نام پر انہیں بے پناہ وسائل اور سہولتیں بھی حاصل ہیں، وہ اگر فکر، درد اور بہتر حکمت عملی سے کام لیں تو لادینیت کی ہمہ گیر تحریک کے مقابلہ کی بہتر صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

حضرت مجدد اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے دین کی خدمت کے کاموں کو

افضیلت کا معیار قرار دے کر، ہم سب کے لئے صحیح فکری خطوط متعین فرمادیئے ہیں۔ کاش کہ ان کے علمی اور فکری خطوط کے فہم کی صورت پیدا ہو۔

### اپنے دوستوں کے لئے دنیا میں مصیبتوں کا راز

آپ نے پوچھا ہے کہ کیا بات ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء علیہم الرضوان دنیا میں اکثر بلا و مصائب اور رنج و تکلیف میں بیٹلا گرفتار رہے ہیں۔ جیسے کہ کہا گیا ہے۔ ”اَشَدُ النَّاسِ بَلَاءُ الْاَنْبِيَاءِ ثُمَّ الْاوْلَيَاءِ ثُمَّ الْاَمْثُلَ“ (لوگوں میں زیادہ بلا و آزمائش میں بیٹلا ہونے والے انبیاء ہیں، اس کے بعد اولیاء اس کے بعد ان سے مشابہت پیدا کرنے والے بعد ازاں ان سے قریب ہونے والے۔) اور حق تعالیٰ اپنی کتاب مجید میں فرماتا ہے۔ ”وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبْتُ أَنْبِيَاءً لَّمْ“ (جو مصیبۃ تم پر آتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہوتی ہے) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص زیادہ براہیاں کرے، اس پر زیادہ مصیبیتیں آتی ہیں تو چاہئے کہ انبیاء اور اولیاء کے سوا دوسرے لوگ بلا و مصیبۃ میں گرفتار ہوں اور پھر اولیاء انبیاء اور نیز یہ بزرگوار حق تعالیٰ کے محبوب اور اس کے خواص مقربین ہیں۔ حق تعالیٰ اپنے محبوبوں اور خواص مقربوں کو تکالیف و مصیبتوں میں بیٹلا کیوں کرتا ہے اور دشمنوں کو ناز و نعمت میں اور دوستوں کو رنج و مصیبۃ میں کیوں رکھتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ آپ کو سعادت مند کرے اور سیدھے راستے کی ہدایت دے، آپ پر واضح ہو کہ دنیا کی یہ زندگی نعمت ولذت کے لئے نہیں ہے، بلکہ آخرت کی تیاری کا ذریعہ ہے، جو نعمت ولذت ہی کے لئے تیار کی گئی ہے۔ چونکہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی ضد اور مخالف ہیں اور ایک کی خوشی و بہتری دوسرے کی ناراضگی سے وابستہ ہے۔ اس لئے دنیا میں لذت پانا، آخرت میں رنج و الم کا باعث ہوگا۔ لپس انسان دنیا میں جس قدر لذت و نعمت کے ساتھ رہے گا، وہ آخرت میں

اسی قدر زیادہ رنج والم اٹھائے گا۔ اسی طرح جو شخص دنیا میں زیادہ تر رنج والم میں بیٹلا ہوگا، آخرت میں وہ اسی قدر زیادہ ناز و نعمت میں ہوگا۔ کاش، دنیا کی بقا کو آخرت کی بقا کے ساتھ وہی نسبت ہوتی، جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے۔ ہاں تناہی کو لاتناہی کے ساتھ کیا نسبت ہوگی۔ اسی لئے دوستوں کو اپنے فضل و کرم سے دنیا کی چند روزہ زندگی میں مصیبت و تکلیف میں بیٹلا کیا ہے، تاکہ وہ دائمی زندگی میں ناز و نعمت سے مسرور ہوں اور ڈشנוں کو مکر واستدرج کے طور پر تھوڑی سی لذتوں کے ساتھ لذتیاب کر دیا ہے، تاکہ وہ آخرت میں بے شمار رنج والم میں گرفتار رہیں۔ (ایضا)

### تشريع

اللہ کے طالبوں پر ایک عرصہ تک یہ رنج غالب رہتا ہے کہ نفس، اللہ کی اطاعت پر راضی نہیں، اللہ کی اطاعت نفس کے لئے شدید دشوار ہے، نفس کے اس خوفناک درندہ کو کس طرح اللہ کی راہ پر گامزن کیا جائے، طویل عرصہ تک کی یہ فکرمندی انہیں نفس کے خلاف مجاہدوں پر آمادہ کرتی ہے۔ مسلسل مجاہدوں کی وجہ سے انہیں دنیا کے کم سے کم حصہ پر راضی رہنا پڑتا ہے۔ مجاہدوں سے ان کا اعصابی نظام بُری طرح متاثر ہوتا ہے۔ محبوب کے لئے نفس کو مطیع کرنے کا یہی وہ رنج غم ہوتا ہے، جو انہیں دنیا مافیحہ سے بے نیاز کر کے، اس مجاہدہ میں مصروف رکھتا ہے، اس طرح چند روزہ زندگی کو وہ مجاہدوں مشقتوں میں گزار کر، دائمی زندگی کی مشقتوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

### اہل اللہ کی نظر میں مصیبتوں کے بغیر

دنیا کا بے وقت ہونا

جب تک دنیا میں چند روزہ مشقتوں اور تکلیفوں کو برداشت نہ کیا جائے، تب تک آخرت کی لذت و نعمت اور دائمی صحت و عافیت کی نعمت کی قدر نہ ہوگی اور دائمی

صحت و عافیت کی نعمت کما حقہ معلوم نہ ہوگی۔ کیونکہ جب تک بھوک نہ ہو، طعام کی لذت محسوس نہیں ہوتی اور فرد جب تک مصیبت میں بیٹلا نہ ہو، فراغت و آرام کی قدر معلوم نہیں ہوتی۔ گویا چند روزہ مصیبتوں سے مقصود یہ ہے کہ ان کو دائمی ناز و نعمت کامل طور پر حاصل ہو۔ یہ مصیبت ان لوگوں کے حق میں سراسر مجال ہے، جو عوام کی آزمائش کے لئے جلال کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ ”یُضْلِلُ بِهِ كَثِيرًا وَ يَنْهَاكَثِيرًا“ (اکثر کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور اکثر کو ہدایت دیتا ہے)۔

**جواب دوم:** مصیبتوں اگرچہ عوام کے نزدیک تکلیف کے اسباب ہیں، لیکن ان بزرگواروں کے نزدیک جمیل مطلق ہستی کی طرف سے جو کچھ بھی آئے، وہ ان کے لئے لذت و نعمت ہے۔ یہ لوگ مصیبتوں سے ویسے ہی لذت پاتے ہیں، جیسی نعمتوں سے، بلکہ وہ مصیبتوں سے زیادہ محفوظ ہیں، کیونکہ یہ مصیبتوں محبوب کی خالص مراد اور چاہت ہے، جب کہ نعمتوں میں یہ چیز نہیں ہے، کیونکہ نفس نعمتوں کو چاہتا ہے اور بلا و مصیبتوں سے بھاگتا ہے۔ پس بلا و مصیبت ان بزرگواروں کے نزدیک عین نعمت ہے اور اس میں نعمت سے بڑھ کر لذت ہے۔ وہ لذت جو انہیں اس دنیا میں حاصل ہے، وہ تکالیف و مصائب ہی کی بدولت حاصل ہے۔ اگر دنیا میں بلا کا یہ نمک نہ ہوتا تو ان کے نزدیک دنیا کی حیثیت بُو کے برابر بھی نہ ہوتی اور اگر اس میں یہ حلاوت نہ ہوتی تو دنیا ان کو عبیث و بے فائدہ دکھائی دیتی۔ (ایضا)

### تشريع

اہل اللہ کے احساسات میں پاکیزگی پیدا ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے حالات و زمانہ کے اثرات ان کے قلب کے سکون کو متاثر کرنے میں ناکام رہتے ہیں، ان کے لئے دنیا کا ہونا، نہ ہونا، عزت و شہرت کا ہونا نہ ہونا، معافشہ میں حیثیت کا حاصل ہونا یا نہ ہونا، لوگوں کی طرف سے مخالفت کا ہونا یا نہ ہونا، یہ سب کیساں ہوتا ہے۔ احساس کی پاکیزگی کی یہ نعمت عظیٰ انہیں اللہ کی راہ میں مسلسل مجاہدوں، مشقتوں اور نفسی قوتوں سے شدید مقابلہ کے نتیجہ میں انعام کے طور پر حاصل ہوتی ہے۔

## اللہ کی محبت کے راز دانوں کے غم والم کی نوعیت

حق تعالیٰ کے دوست دنیا میں بھی خوش ہیں تو آخرت میں بھی محفوظ و مسرور ہوں گے، انہیں دنیا میں حاصل یہ لذت آخرت میں حاصل ہونے والی لذت کے مخالف نہیں، وہ لذت جو آخرت کی لذت سے محرومی کا نتیجہ ہے، وہ اس سے مختلف ہے، جو عوام کو حاصل ہے۔ الہی، یہ کیا ماجرا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کے ساتھ اختیار فرمایا ہے کہ جو چیزیں دوسروں کے لئے رنج والم کا ذریعہ ہیں، وہ ان کے لئے لذت کا باعث ہیں اور جو چیزیں دوسروں کے لئے زحمت ہیں، ان کے واسطے رحمت ہیں۔ دوسروں کا غم ان کے لئے نعمت ہے، لوگ شادی کی حالت میں خوش ہیں اور غمی میں غمناک، جب کہ ان کی حالت یہ ہے کہ یہ ہر طرح کے حالات میں خوش و خرم ہیں، کیونکہ ان کی نظر جیلہ و رذیلہ افعال کی خصوصیات کے بجائے ان افعال کی فاعل ہستی یعنی جمیل مطلق ذات کے جمال پر لگی ہوئی ہے اور اس کی محبت کی وجہ سے اس کے افعال بھی ان کی نظروں میں محبوب اور لذت بخش ہو گئے ہیں۔ دنیا میں جو کچھ اس جمیل ہستی کی مرضی کے موافق صادر ہو، خواہ وہ رنج و ضرر ہو، وہ کیونکہ ان کے محبوب کی عین مرضی ہے، اس لئے وہ ان کے لئے لذت کا سبب ہے، خداوند! یہ کیسا انعام ہے، جو تو نے ایسی پوشیدہ دولت اور بہتریں نعمت اغیار کی نظر بد سے چھپا کر اپنے دوستوں کو عطا فرمائی ہے اور انہیں ہمیشہ اپنی رضا پر قائم رکھ کر، لذت سے بہرہ ور کیا ہے اور کراہت و بے زاری جو دوسروں کا نصیب ہے، ان بزرگواروں کو اس سے محفوظ رکھا ہے۔ اور نگ ورسوائی جو دوسروں کے لئے عیب ہے، اس گروہ کے لئے تو نے اسے جمال و کمال بنایا ہے۔ یہ نامرادی ان کے لئے عین مراد ہے جو انہیں دنیا میں حاصل ہے۔ یہ لذت دوسروں کے برعکس ان کے لئے آخرت کی لذت کی ترقیوں کا موجب ہے۔ ”ذلک فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتُهُ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ  
ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ“ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے)۔

## تشریح

اہل اللہ، رضا بالقصنا کے مقام پر فائز ہوتے ہیں، یعنی اللہ، جس حالت میں رکھے، وہی حالت ان کے لئے تسلیم کا موجب ہوتی ہے، کیونکہ بلا اور انعام کے پس پرده ان کی نظر، ان اسباب کے بجائے اسباب کی غالق ہستی کی طرف ہوتی ہے، اس لئے وہ بلا و انعام دونوں کو یکساں سمجھتے ہیں، اگرچہ بشریت کے تقاضے کے تحت وہ محبوب سے عافیت ہی طلب کرتے ہیں، اغیار کی نظروں سے چھپا کر محبوب نے انہیں خوشی و مسرت کی جس بے بہا زندگی سے نوازا ہے، اس پر وہ محبوب حقیقی پر سو جانوں سے فدا ہوں تو گویا ذرہ بھی حق ادا نہ ہوا۔

**بلا و مصیبتوں کا گناہوں کا کفارہ ہونا**

حق تعالیٰ سب چیزوں پر قادر ہے اور طاقت رکھتا ہے کہ دوستوں کو یہاں بھی ناز و نعمت سے رکھے تو وہاں بھی۔ لیکن یہ بات حق تعالیٰ کی حکمت و عادت کے برخلاف ہے۔ حق تعالیٰ کی یہ نعمت ہے کہ اس نے اپنی قدرت کو اپنی حکمت میں پوشیدہ رکھا ہے اور اسباب وذرائع کو اپنے اپنی بارگاہ میں چھپا رکھا ہے، پس دنیا و آخرت کے باہم مخالف ہونے کے باعث دوستوں کے لئے دنیا کی مشقت و بلا ہونا ضروری ہے، تاکہ آخرت کی نعمتیں ان کے لئے خوشنگوار ہوں۔ یہی مضمون اصل سوال کے جواب میں پہلے گذر چکا ہے۔ اب ہم پھر اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور اصل سوال کا جواب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ درد و بلا مصیبت کا سبب اگرچہ گناہوں اور بُرائیوں کا کرنا ہے، لیکن درحقیقت بلا و مصیبۃ ان بُرائیوں کا کفارہ اور ان گناہوں کے ظلمات کو دور کرنے والی ہیں۔ پس کرم یہی ہے کہ دوست زیادہ سے زیادہ بلا و مشقت میں بنتا ہوں، تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ اور ازالہ ہو۔ دوستوں کے گناہوں اور بُرائیوں کو دشمنوں کے گناہوں اور بُرائیوں کی طرح خیال نہ کریں۔ (ایضا)

## تشریح

اہل اللہ کو راہِ عشق و محبت میں مسلسل چلتے رہنے اور اس کے ارتقائی مرالع طے کرنے کے نتیجہ میں ایسی زندگی عطا ہوتی ہے، جو جنتی زندگی کا عکس ہوتی ہے، جس میں دنیا مافیحا سے بے نیازی، حسن اعلیٰ کی ہستی میں محبت، اعلیٰ درجہ کا سکون و سکینیت اور اللہ کی مخلوق پر رحم جیسی چیزیں غالب ہوتی ہیں۔

اہل اللہ کو حاصل ہونے والے اس سکون و سکینیت کی کیفیت کا اگر اہل دنیا کو معمولی بھی ادراک حاصل ہو جائے تو وہ ساری دولت ان کے قدموں پر نشاور کر کے عشق و محبت اور سکینیت کے یہ اجزاء ان سے حاصل کریں۔

اسی پس منظر میں بعض اہل اللہ نے کہا ہے کہ جو شخص اس دنیا کی جنت میں داخل نہ ہوا، اس کے لئے وہاں کی جنت میں داخلہ دشوار ہے۔

جدید انسان سکون کی تلاش میں ہے اور وہ اس کے لئے مارا مارا پھرتا ہے، اسے یہ غلط فہمی لاحق ہے کہ سکون کی یہ نعمت، جو اسے مطلوب ہے، وہ کثرت دولت، شہرت کے ذرائع، مادی حسن کے مناظر کے مشاہدہ، جنسی جذبات کی تکمیل اور نشہ وغیرہ کے استعمال سے حاصل ہوگی، حالانکہ یہ انسانی فطرت سے نا آشائی ہے۔ بد قسمی سے مادہ پرستی کی عالمی اور مقامی قوتون نے اپنے اغراض کی خاطر تعلیم و تربیت، ذہن سازی اور میڈیا کے سارے ذرائع ان خطوط پر ترتیب دیئے ہیں، جس سے سکون و سکینیت کے سارے راستے مسدود ہو گئے ہیں۔

اہل اللہ کو جو نعمتیں حاصل ہوئی ہیں، وہ سب ذکر و فکر اور مخلصانہ عبادت کے ذریعہ نفس پرستی کی قوتون سے طویل عرصہ تک مقابلہ کر کے، انہیں مکمل طور پر اللہ و رسول کی اطاعت میں دینے کے نتیجہ میں ہی حاصل ہوئی ہیں۔ نفس پرستی کی قوتیں ایسی ہیں، جن سے مقابلہ کرنا نہ تو آسان ہے اور نہ ہی یہ کام دوچار سال کا ہے۔ نفس کی قوت دنیا میں موجود سارے درندوں کی مجموعی قوت سے بھی بڑھ کر ہے۔

راہِ عشق میں طویل عرصہ تک چلتے رہنے کے نتیجہ میں مخلص طالبوں کو ان

قوتوں سے شدید معزکہ آرائی کرنی پڑتی ہے اور مصائب و مشکلات کے پھاڑوں سے گذرنا پڑتا ہے۔

نفسی قوتیں آسانی سے جان چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتی، ان سے خوفاک جگ کر کے ان سے آزادی حاصل کرنی پڑتی ہے۔ اس جدو جہد کے دوران طالبوں کو طویل عرصہ تک اللہ کے جلالی صفات کے عکس سے بھی گذرنا پڑتا ہے، جب مخلص طالب صبر آزماء جدو جہد کے ذریعہ ان مصائب سے گذرنے میں کامیاب ہوتے ہیں تو انعام کے طور پر انہیں نفسِ مطمئنہ کی نعمتِ عظمی پر فائز کیا جاتا ہے۔ نفسِ مطمئنہ کی یہ وہ دولت ہے، جو غیر معمولی مشقتوں، مصیبتوں اور مجاہدوں کی بدولت فضل خاص کے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد اہل اللہ کے لئے عطا و عدم عطا یکساں ہو جاتا ہے۔ نفرت کی زندگی محبوب ہو جاتی ہے۔ دنیا کے حوالے سے احساسات پاکیزہ ہو جاتے ہیں، دنیا کے سارے خزانے بھی ان کے لئے لا حاصل و بے معنی ہو جاتے ہیں۔

**دنیا سے رخصت ہوتے وقت حضور ﷺ کی بے قراری**

آپ نے حنات الابرار سینات المفترین (یعنی نیکوکاروں کی نیکیاں مقریبین کے گناہوں کے مترادف ہیں) سنा ہوگا اور اگر ان سے گناہ و عصيان بھی صادر ہو تو وہ لوگوں کے گناہ و عصيان کی طرح نہ ہوگا، بلکہ اس گناہ کی حیثیت سہوونسیان کی سی ہوگی اور یہ گناہ ارادہ سے نہ ہوگا اور وہ عزم و قصد سے پاک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا، لیکن اس نے اسے بھلا دیا اور ہم نے اس میں عزم و قصد نہ پایا) پس درود مصائب دراصل برائیوں کے کفارہ کی صورت ہیں۔ نہ کہ برائیوں کا ذریعہ ہیں، یہ دوستوں کو زیادہ بلا سے قریب کرتے ہیں، تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ کر کے ان کو پاکیزہ بنایا جائے۔ اور آخرت میں ان کو مشقتوں سے بچایا جائے، منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سکرات موت کے وقت جب حضرت فاطمہ نے آپ کی بیقراری و بے آرامی دیکھی جن کو آنحضرت ﷺ نے الفاطمة بضعہ منی (فاطمہ میرے جگر کا لکڑا ہے) فرمایا تھا۔

کمال شفقت و مہربانی سے وہ نہایت بے قرار ہو گئیں۔ جب آنحضرت نے ان کی اس بیقرار و بے آرامی کو دیکھا تو آپ نے ان کی تلی کے لئے فرمایا کہ تیرے باپ کے لئے یہی ایک تکلیف ہے، اس کے بعد کوئی تکلیف و مصیبت نہیں۔ سوچنا چاہئے کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ چند روزہ محنت کے عوضِ دائمی سخت عذاب سے محفوظ رکھا جائے، اس طرح کا معاملہ دوستوں کے ساتھ ہی کرتے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ اس طرح نہیں کرتے اور ان کے گناہوں کا کفارہ کما حقہ یہاں نہیں فرماتے، بلکہ ان کی جزا آخرت پر ثال دیتے ہیں۔ (ایضا)

#### تشریح

کسی عالم ربانی کی کتاب میں پڑھا تھا کہ آپ ﷺ کے وصال کے وقت آپ کی بے قراری و بے چینی کا سبب یہ تھا کہ روح کی غیر معمولی لطافت کی وجہ سے آپ کا جسمانی وجود بھی روح والی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ دونوں ایک ہی صورت اختیار کر چکے تھے، اس لئے آپ کے جسمانی وجود کو روح سے جدا کرنے میں دشواری پیش آئی۔

#### راہِ محبت میں بلا و تکلیف کی حیثیت اور اس کی حقیقت

اصل سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بلا تازیانہ محبوب ہے، جس کے ذریعے محبت اپنے محبوب کے تعلق کو مساوا سے ہٹا کر، کلی طور پر اپنی طرف کرنا چاہتا ہے۔ پس دردوبلا کا مستحق دوست ہی ہے اور یہ بلا اس برائی کا کفارہ ہے کہ محبت کی محبت مساوا سے ہے، محبوب کے علاوہ دوسرے لوگ اس کی بلا کی نعمت دولت کے لائق نہیں، محبوب انہیں جر سے اپنی طرف کیوں لائے، وہ جس کو چاہتے ہیں، اسے مار پیٹ کر بھی اپنی طرف لاتے ہیں، اس طرح اسے محبوبیت سے سرفراز فرماتے ہیں اور جسے محبوب اپنی طرف نہیں لانا چاہتے، اسے اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر اس

کے ساتھ سعادت ابدی شامل حال ہو گئی تو توبہ و رجوع کی راہ سے ہاتھ پاؤں مار کر اس کے فضل و عنایت سے مقصد تک پہنچ جائے گا، ورنہ وہ جانے اور اس کا کام اللہم لا تکلنی الی نفسی طرفہ عین (یا اللہ تو مجھے ایک لحظ کے لئے بھی اپنے حال پر نہ چھوڑ) پس معلوم ہوا کہ کہ مریدوں کی نسبت مرادوں پر زیادہ بلا آتی ہے، اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے جو مرادوں اور محبوبوں کے رئیس ہیں۔ فرمایا ہے کہ ما اوذی نبی مثل ما او ذیت (کسی نبی کو اتنی ایذا نہیں پہنچی جتنی مجھے پہنچی ہے) گویا بلا رہنا ہما ہے، جو اپنی حسن دلالت سے دوست کو دوست تک پہنچا دیتی ہے اور دوست کو ماسوئی سے پاک کر دیتی ہے، عجیب معاملہ ہے کہ دوست کروڑ ہا دے کر بلا و مصیبت کو خریدتے ہیں، جب کہ دوسرے لوگ کروڑ ہا دے کر بلا کو دفع کرنا چاہتے ہیں۔ (ایضا)

سوال : کبھی ایسا ہوتا ہے کہ درد و بلا کے وقت دوستوں سے بھی اضطراب و کراہت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟  
جواب : یہ اضطراب و کراہت بشری تقاضا ہے، جو ضروری ہے اور اس کے باقی رکھنے میں کئی طرح کی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں، کیونکہ اس کے بغیر نفس سے جہاد و مقابلہ نہیں ہو سکتا۔

آپ نے سنا ہوگا کہ دین و نیا کے سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سکرات موت کے وقت کس طرح کی بے قراری و بے آرامی ظاہر ہوئی تھی۔ وہ گویا نفس سے جہاد کا بقیہ تھا، تاکہ حضور ﷺ کا آخری وقت بھی خدا کے دشمنوں کے خلاف جہاد میں صرف ہو۔ شدت مجہدہ اس بات کی دلالت ہے کہ صفات بشریت کے سارے مادے دور ہو جائیں اور نفس کو کمال فرمانبردار بنا کر، نفس مطمئنہ تک پہنچایا جائے اور اسے پاکیزہ حالت پر لایا جائے، گویا بلا و مصیبت بازارِ محبت کی چابی ہے، محبت سے

محروم فرد کا اس سے کیا تعلق اور اس کی نظر میں بلا کی کیا قدر و قیمت ہوگی۔ درود بلا کی دوسری وجہ یہ ہے، تاکہ محبت صادق اور معنی کاذب کے درمیان تمیز ہو جائے، اگر محبت، صادق ہے تو وہ بلا و تکلیف سے لذت یاب ہوگا اور اگر وہ محبت کا جھوٹا دعویدار ہے تو وہ بلا سے کراہت و رنج محسوس کرے گا، یہ محبت صادق ہی ہے، جو بلا کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے اور وہ صفات و بشریت کی حقیقت کو صفات بشریت کی صورت سے الگ کرنے لگتا ہے۔ ”والله سبحانہ الہادی الی سبیل الرشاد“  
(اللہ تعالیٰ ہی راہ راست کی طرف پداشت کرنے والا ہے)۔ (ایضا)

### تشریح

زیر نظر مکتوب جو حضرت میر محمد نعمانؒ کے سوال کے جواب پر مشتمل ہے، جو کافی تفصیلی مکتوب ہے۔ اس مکتوب میں (اللہ والوں کو طویل عرصہ تک جن مشتقوں اور بے چینی کے انگاروں سے گذرنا پڑتا ہے، اس کی نوعیت، اور حکمت بیان فرمائی گئی ہے۔ اہل اللہ کی مشتقوں اور محبوب کی طرف سے انہیں حاصل بلا و تکلیف کے موضوع پر آپ کے بیان کردہ یہ نکات اتنے اہم اور اتنے قیمتی ہیں کہ اس موضوع پر ایسی بے مثال بحث کسی دوسری کتاب میں نظر نہیں آئی۔

اس مکتوب میں ابتلا و آزمائش اور بلا و تکلیف کو اہل طریقت و اہل محبت کے لئے اللہ سے قربت کی سب سے بڑی علامت بتایا گیا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بلا و تکلیف، اللہ کے نیک بندوں اور طریقت والوں کے لئے ہار سینگار کی حیثیت رکھتی ہے۔ ابتلا و آزمائش اور بے چینی کے انگاروں سے گزرے بغیر ان کے لئے قرب کے مقامات کا طے ہونا دشوار تر ہے۔ اس اعتبار سے ابتلا و آزمائش محبوب کے وہ انعامات ہیں، جس کے ذریعہ وہ طالبوں کی تربیت کے ساتھ ساتھ اپنے درمیان ان کے فاصلوں کی دوری کو بھی ختم کرنے کی صورت پیدا فرماتے ہیں۔

ابتلا و آزمائش کی سب سے بڑی صورت نفس سے معرکہ آرائی کے دوران طالب کو پیش آنے والے حالات اور قبض و بے چینی کے انگارے ہوتے ہیں، جن سے اللہ کی محبت کے رازدانوں اور مخلص طالبوں کو عرصہ تک گذرنا پڑتا ہے۔ ابتلا و آزمائش اور قبض و بے چینی کی ایک بڑی حیثیت یہ ہے کہ اس سے طالبوں کے مزاجی اور نفسیاتی ڈھانچے و سانچے میں فیصلہ کن تبدیلی واقع ہونے لگتی ہے اور اپنے حالات و مسائل و معاملات کو مکمل طور پر محبوب کے حوالے کرنے کا ان کا مزاج رفتہ رفتہ پختہ ہونے لگتا ہے۔

ابتلا و آزمائش قبض و بے چینی کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ نفس کے لئے تقابل بیان اذیت ثابت ہوتی ہے، نفس کو اس کا عادی بنانے سے نفس کی خصوصیات میں تبدیلی واقع ہونے لگتی ہے اور صبر، شکر، بر بادی، روادراری، معافی جیسے بہت سارے بنیادی اوصاف پیدا ہونے لگتے ہیں۔

جو طالب عرصہ تک محبوب کے جلائی صفات کے عکسوں سے صبر و حوصلہ سے گذر کر، نفوں کے ترکیہ میں کامیاب ہوتے ہیں، ان کے لئے سعادت دارین کی راہ کھول دی جاتی ہے۔ انہیں خوف و هزن سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ محبوب کی رضا کی زندگی ان کے لئے لکھ دی جاتی ہے۔

ابتلا و آزمائش و بلا کے یہ کتنے بڑی انعامات ہیں، جو طالبوں کو عطا کر دیئے جاتے ہیں۔ اگر ان انعامات کا استحضار قائم ہو جائے تو طالب قبض و بے چینی کے موقع پر واویلا کرنے کی بجائے اسے محبوب کی طرف سے تخفہ سمجھنے لگے۔

اہل اللہ، جو ان قیامت خیز حالات سے گذر چکے ہوتے ہیں، وہ طالبوں کو پورے یقین کے ساتھ حوصلہ دلاتے ہیں کہ وہ نفس کے خلاف دوران جنگ میں پیش آنے والے حالات اور قبض و بے چینی کے انگاروں سے خوف زدہ ہرگز نہ ہوں،

شخصیت کا استحکام اسی سے وابستہ ہے۔

کچھ اپنے علوم  
و معارف کا بیان

یہ فقیر حق جل سلطانہ کے انعامات کیا کیا لکھے اور ان کا کیا شکر ادا کرے۔  
وہ علوم و معارف جن کا فیضان ہوتا ہے، خداوند جل شانہ کی توفیق سے ان میں سے  
اکثر لکھے جاتے ہیں۔ اور ہر اہل دنائل کے کانوں تک پہنچتے رہتے ہیں، لیکن وہ  
خاص اسرار و وقاوٰق جن کے یہ سے فقیر تمیز ہے، ان کا تھوڑا سا حصہ بھی ظہور میں  
نہیں لاسکتا۔ بلکہ رمز و اشارہ کے ساتھ بھی اس مقولہ کی نسبت گفتگو نہیں کر سکتا، بلکہ  
اپنے فرزند عزیز کے ساتھ بھی جو فقیر کے معارف کا مجموعہ اور مقامات سلوک و جذب  
کا نسخہ ہے۔ ان اسرار و وقاوٰق کی کوئی رمز بیان نہیں کرتا اور ان کے پوشیدہ رکھنے  
میں بڑی کوشش کرتا ہے، حالانکہ فقیر جانتا ہے کہ فرزند عزیز حرمان اسرار سے ہے اور  
خطا و غلط سے محفوظ ہے، لیکن کیا کرے کہ معانی کی دقت اور باریکی زبان پکڑ لیتی  
ہے۔ اور اسرار کی لطافت لبوں کو بند کر دیتی ہے۔

ویضیق صدری ولاینطق لسانی (میرا سینہ بند ہو جاتا ہے اور میری زبان  
نہیں چلتی)۔

وہ اسرار اس قسم کے نہیں ہیں کہ فقیر ان کو بیان نہیں کرتا بلکہ وہ ایسے ہیں کہ  
بیان میں لائے نہیں جاسکتے۔

فریاد حافظ ایں ہم آخر بہر زہ نیست      ہم قصہ غریب و مدیہ عجیب ہست  
حافظ کی یہ تمام فریاد بے فائدہ نہیں، دراصل قصہ بھی غریب اور حالت بھی  
عجیب ہے۔

یہ دولت جس کے چھپانے میں کوشش کرتے ہیں، انیماۓ علیہم الصلوات

و انتسلیمات کے چراغ نبوت سے ماخوذ ہے۔ اور ملائکہ ملائے اعلیٰ علی نبینا و علیہم  
الصلوات و انتسلیمات بھی اس دولت میں شریک ہیں اور انیماۓ علیہم الصلوات  
و انتسلیمات کے تابعداروں میں سے جس کسی کو اس دولت سے مشرف فرمائیں، وہ  
بھی اس دولت میں میرا شریک ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو طرح کے علم  
سیکھے ہیں، ایک تو وہ علم ہے، جس کو میں تمہارے سامنے منتشر بیان کرتا ہوں اور  
دوسراؤہ علم ہے کہ اگر میں اس کو تمہارے سامنے ظاہر کروں تو میرا گلا کاٹ دو۔ اور  
یہ دوسرा علم، علم اسرار ہے کہ جس علم تک کسی کا فہم نہیں پہنچتا۔ ذلیک فضل اللہ یؤنیہ من  
بَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔ (بِنَامِ مَرْزاً حَسَانِ الدِّينِ الْأَحْمَرِ، كِتَابُ نُبْرَ ۲۶۷)

### تشریح

اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد جیسے اکابر اولیاء کرام کو باطنی مشاہدات کی جو نعمت  
عطای فرمائی تھی، اس کی حیثیت اس دنیا میں بڑے انعام کی سی ہے۔ اکابر اولیاء کو  
غیر معمولی مجاہدوں کی بدولت اشیاء کی حقیقت ان پر کھول دی جاتی ہے، بلکہ انہیں سیر  
و سفر اس طرح کرایا جاتا ہے کہ اصل مقام پر کھڑا کر کے، اس کا مشاہدہ کرایا جاتا  
ہے، اس طرح انہیں عین الیقین کے مقام پر فائز کیا جاتا ہے۔ لیکن ان کا ظرف اتنا  
وسیع ہوتا ہے کہ وہ ان سارے مشاہدات کے باوجود محبوب کے رازوں کو انخفا رکھنے  
کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ بعض اوقات طالبوں کی حوصلہ افزائی اور دوسری  
مصلحتوں کی خاطر ان میں محبوب کے بعض اسرار کے اظہار کا داعیہ بھی پیدا کر دیا  
جاتا ہے، لیکن عام طور پر بڑے اولیاء کرام نے اس سلسلہ میں غیر معمولی  
احتیاط سے کام لیا ہے۔

انہوں نے دوسری دنیا کے جو مشاہدے کئے ہیں، اگر اس کا ایک فیصد بھی

اور مجاہدوں میں غیر معمولی تخفیف کر کے، سلوک کو پندرہ بیس منٹ کی تسبیحات میں تبدیل کر دیا ہے۔ اور خلافتیں بھی پندرہ بیس منٹ کی انہی تسبیحات کی بنیاد پر دی جانے لگی ہیں، یہ حکمت عملی جو اگرچہ بڑے اخلاص کے ساتھ اختیار کی گئی ہے، لیکن اس سے ایک تو تزکیہ کی روح متاثر ہوئی، دوم یہ کہ معاشرہ مجاہدوں کے ذریعہ نفسی قوتوں سے پوری طرح آشنا اور تزکیہ کی حامل شخصیتوں کے قحط سے دوچار ہو گیا ہے۔ بعض بزرگوں کے سینکڑوں خلفاء ہونے کے باوجود حالت یہ ہے کہ معاشرہ پر ان کا اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔

اس پس منظر میں حضرت مجدد کا بیان کردہ یہ نکتہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے کہ طریقت میں نئی بات پیدا ہونے سے طریقت کے فیوض و برکات اور اس کے ثمرات بند ہو جاتے ہیں۔

ذکر و فکر کے مجاہدوں کے بغیر نفسی قوتیں پامال ہو سکیں، کردار میں حسن اور رونق پیدا ہو سکے، سلف کی تصریحات کے مطابق ایسا ہونا ناممکنات میں سے ہے، حقیقت یہ ہے کہ حسن کردار، حسن کی خالق ہستی کے ذکر کے تکرار سے ہی پیدا ہوتا ہے، اس کے بغیر شخصیت، حسن کردار کی حامل ہو سکے، امر محال ہے اور حسن کردار کے بغیر خلافت و درویشی کی مندرجہ پر فائز کرنا، نہ صرف طریقت کے مسلمات کے خلاف ہے۔ بلکہ نامبارک عمل بھی ہے، جس سے تصوف و احسان کا ادارہ حسن کردار کی حامل شخصیتوں پیدا کرنے کی بجائے عامی شخصیتوں پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

### ولایت، قرب اور کشف پر قیمتی گفتگو

واضح ہو کہ کرامات کا ظاہر ہونا، یہ ولایت کی شرط نہیں۔ جس طرح علماء، کرامتوں کے حاصل کرنے کے ذمہ دار و جواب دہ نہیں ہیں، اسی طرح اولیاء، کرامتوں کے ظہور پر ذمہ دار و جواب دہ نہیں ہیں، کیونکہ ولایت کا تعلق اللہ سے

تحریر میں لایا جاتا تو کتابوں کے دفتر کے دفتر تیار ہو جاتے۔ لیکن اس سلسلہ میں اہل اللہ کی زبان کو گنگ کر دیا جاتا ہے، تاکہ وحی کے ذریعہ اسلامی شریعت کے جو علوم حاصل ہوئے ہیں، جو اصل ہیں اور سب کے لئے ہیں۔ ان کی فیصلہ کن اہمیت قائم رہے۔ اور اہل اللہ کے ان معارف کے ذریعہ شریعت اور اس کے علوم کا تقدس متاثر نہ ہو۔ طریقت میں نئی بات پیدا نہ ہونے دینا

میرے مکرم مخدوم! کوئی نئی بات جو طریقت میں پیدا کریں، نقیر کے نزدیک اس بدعت سے کم نہیں ہے، جو دین میں پیدا کریں۔ طریقت کی برکتیں اسی وقت تک فائز ہوتی رہتی ہیں، جب تک طریقت میں کوئی نئی بات پیدا نہ ہو اور جب کوئی نئی چیز طریقت میں پیدا ہو جائے تو اس وقت طریقت کے فیوض و برکات کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ پس طریقت کی محافظت کرنا اور طریقت کی مخالفت سے بچنا، نہایت ہی ضروری ہے۔ آپ کو لازم ہے کہ جہاں کہیں طریقت کی مخالفت کسی سے دیکھیں، مبالغہ سے اس کو منع فرمائیں اور طریقت کی ترویج و تقویت کے لئے کوشش کریں۔

(بنام مرزا حسام الدین احمد، مکتوب نمبر ۲۶۷)

### تشریح

اس خط میں اہم چیز جس کی تاکید فرمائی گئی ہے، وہ تصوف میں نئی چیزیں شامل نہ کرنے کی ہے۔ تصوف کا ادارہ جو لاکھوں بزرگانِ دین کی کاوشوں کا ثمرہ ہے، اس میں نئی چیزیں شامل کرنے کا مطلب اس کے رخ کو تبدیل کرنا اور اس ادارہ کے ثمرات کو ضائع کرنا ہے، حضرت مجدد جسی شخصیت کی طرف سے بیان کردہ یہ نکتہ بہت اہم ہے۔

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ تصوف کی صورت سلف کے تصوف سے کافی مختلف ہو گئی ہے، بعض بزرگوں نے بڑے اخلاص کے ساتھ بزرگوں کے معین کردہ اس باق

قربت سے ہے، جو مساوا کو بھول جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ بعض کو یہ قرب عطا فرماتے ہیں، انہیں کشف وغیرہ عطا نہیں کرتے اور بعض کو یہ قرب بھی عطا فرماتے ہیں تو کشف بھی۔ بعض کو قرب تو عطا نہیں کرتے، لیکن کشف وغیرہ کی صلاحیت دے دیتے ہیں۔ یہ تیسرا قسم کے لوگ اہل استدراج ہیں۔ نفس کی صفائی کی وجہ سے انہیں کشف حاصل ہو جاتا ہے، اس طرح وہ گمراہی میں بنتا ہو جاتے ہیں۔ ”**وَيَخْسِبُونَ أَنَّهُمْ عَلَى شَيْءٍ إِلَّا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ أَسْتَحْوَذُ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ ذُنْكَرَ اللَّهِ أُولَئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ إِلَّا إِنْ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ**“ (وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم کچھ ہیں۔ خبردار یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے غلبہ پا کر ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ خبردار، یہ شیطان کا گروہ ہی گھاٹا اٹھانے والا ہے)۔  
یہ ان لوگوں کا نشان حال ہے۔

### کرامات کا یقین کی دولت کے لئے عطا ہونا

پہلی اور دوسری قسم کے افراد کو قربت کی دولت حاصل ہے، وہ اولیاء اللہ ہیں۔ ان کی ولایت میں نہ تو کشف سے اضافہ ہوتا ہے، نہ عدم کشف سے۔ ان کی ولایت کے درجات کا مدار قرب ہی ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کشف کی استعداد نہ رکھنے والا ولی قرب کی زیادتی کی وجہ سے کشف والے شخص سے افضل ہوتا ہے۔ صاحب عوارف (حضرت خواجه شہاب الدین سہروردی) جو شیخ الشیوخ ہے اور تمام گروہوں میں مقبول ہے۔ اپنی کتاب ”عوارف“ میں اس امر تصریح کی ہے۔ اگر کسی کو میری بات کا یقین نہ ہو تو اس کتاب میں دیکھ سکتا ہے، آپ نے کرامات کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ کرامات اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض

کو کشف و کرامات عطا فرماتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان میں سے وہ شخص زیادہ اعلیٰ رتبہ کا حامل ہوتا ہے، جسے کشف نہیں ہوتا۔ کیونکہ کرامات، یقین کی تقویت کے لئے عطا ہوتی ہیں اور جب کسی کو یقین کی دولت حاصل ہو چکی ہو تو اسے کرامات کی کیا ضرورت ہے۔ (بنا میر محمد نعمان۔ مکتوب نمبر ۹۲)

### 弗است کی دو قسمیں

امام خواجہ عبداللہ انصاری نے جو شیخ الاسلام کے لقب سے مشہور ہیں۔ اپنی کتاب ”منازل الساریین“ میں لکھتے ہیں کہ فراست کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اہل معرفت کی فراست، دوسری اہل بھوک و اہل ریاضت کی فراست۔ اہل معرفت کی فراست کا تعلق طالبوں کی استعداد اور ان کی پہچان اور ان اولیاء اللہ کو جاننے سے تعلق رکھتی ہے، جو محظوظ سے واصل ہو چکے ہیں، جب کہ اہل ریاست و اہل جوع کی فراست غیبی صورتوں کے مشاہدہ اور احوال کے کشف سے متعلق ہے، جس کا تعلق مخلوقات سے ہے، چونکہ اکثر لوگ جو حق تعالیٰ کی بارگاہ سے دور ہوتے ہیں اور دنیا میں مشغول ہوتے ہیں اور جو صورتوں کے کشف اور مخلوق کی غائبانہ خبروں کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہی سب سے بڑا کمال شمار ہوتا ہے، ان کی نظر میں یہی لوگ اہل اللہ اور حق تعالیٰ کے خاص بندے ہیں، اس طرح وہ اہل حقیقت کی فراست کا انکار کرتے ہیں اور اہل حقیقت کو ان احوال میں جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرتے ہیں، تہمت لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اہل حق ہوتے جیسے کہ لوگوں کا گمان ہے تو یہ لوگ بھی ہماری طرح دوسری مخلوق کے غیبی احوال بتاتے۔ جب ان کو کشف کی استعداد حاصل نہیں ہے تو وہ ان معاملات کے کشف پر جو مخلوقات کے احوال سے اعلیٰ ہیں، کس طرح قدرت رکھیں گے اور اہل معرفت کی فراست کی جو حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال سے تعلق رکھتی ہے،

اپنے اس قیاس فاسد سے جھوٹا جانتے ہیں، اس طرح وہ ان بزرگوں کے علوم و صحیح معارف سے محروم رہ جاتے ہیں اور انہیں جانتے کہ حق تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنی مخلوقات کے کشف سے محفوظ رکھا ہے اور انہیں اپنی بارگاہ کے ساتھ ہی مخصوص کر لیا ہے اور ان کو مخلوقات سے ہٹا رکھا ہے۔ اگر یہ لوگ خلق کے احوال کے درپے ہوتے تو ان میں بارگاہ الہی کے حضور کی صلاحیت باقی نہ رہتی، حضرت خواجہ عبداللہ انصاری نے اس موضوع پر کافی تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔ (ایضا)

کرامات کے ظہور سے نادم ہونا

میں نے اپنے خواجہ حضرت باقی باللہ قدس سرہ سے سنا ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ محبی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ بعض اولیاء، جن سے کرامات ظاہر ہوئی ہیں، وہ آخر میں ان کرامات کے ظہور سے نادم ہوئے ہیں اور یہ خواہش کرتے رہے ہیں کہ کاش، ہم سے یہ کرامات ظاہر نہ ہوتی۔ اگر کرامات کا بکثرت ہونا فضیلت کا باعث ہوتا تو وہ اس طرح کرامتوں پر نہامت کیوں کرتے۔

سوال : جب ولایت، کرامات کی شرط نہیں تو پھر ولی، غیر ولی سے کس طرح جدا ہو سکتا ہے اور سچے اور جھوٹے ولی میں کس طرح فرق ہو سکتا ہے۔

جواب : اگرچہ جھوٹے اور سچے ولی ساتھ ہی رہتے ہوں، (اور بظاہر ان کے درمیان فرق نہ ہو) کیونکہ حق کا باطل کے ساتھ ملا رہنا دنیا کے لوازم میں سے ہے۔ ولی کے لئے اپنی ولایت کا علم ہونا ضروری نہیں۔ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ انہیں اپنی ولایت کا علم نہیں ہوتا تو پھر دوسروں کو ان کی ولایت کا علم کس طرح ہوگا۔ ہاں نبی کے لئے مجھرہ کا ہونا ضروری ہے، تاکہ نبی اور غیر نبی میں تمیز ہو سکے، کیونکہ نبی کے لئے اپنی نبوت کا علم ہونا ضروری ہے اور ولی چونکہ اپنے نبی کی شریعت کے موافق دعوت دیتا ہے، اس لئے ولی کے لئے نبی کا مجھرہ کافی ہے اور

اگر ولی اپنے پیغمبر کی شریعت کے سوا دعوت دیتا تو اس کے لئے کرامتوں کا ہونا ضروری تھا، لیکن جب اس کی دعوت اپنے نبی کی شریعت کے لئے ہے تو پھر اس کے لئے کرامت کی حاجت نہیں۔ علماء صرف ظاہری شریعت کی دعوت دیتے ہیں، جب کہ اولیاء شریعت کے ظاہر اور باطن دونوں کی دعوت دیتے (اور دونوں کی اصلاح کا فریضہ سر انجام دیتے ہیں) اور اور مریدوں اور طالبوں کی توبہ اور رجوع الی اللہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور احکام شرعیہ کے مجاہانے کی ترغیب دیتے ہیں، پھر وہ ذکر الہی بتاتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ اپنے سارے اوقات ذکر میں مشغول رہیں، تاکہ ذکر غالب آجائے (مزاج کا حصہ بن جائے) اور محبوب حقیقی کے سوا دل میں کچھ باقی نہ رہے اور محبوب کے سواد دوسری چیزوں کو اس طرح بھول جائے کہ اگر تکلف کے ساتھ بھی اس کو یاد دلائیں تو اس کو یاد نہ آئے۔ (ایضا)

ولی کو کرامتوں کی ضرورت لاحق نہیں

ظاہر ہے کہ ولی کو اس دعوت کے لئے جو شریعت کے ظاہر و باطن سے تعلق رکھتی ہے، کرامتوں کی کیا ضرورت ہے۔ بیت سے مراد دعوت ہے، جس کا کرامت سے تعلق واسطہ نہیں۔ صادق اور مستعد طالب راہ سلوک میں ہر وقت اپنے بزرگ کی کرامات محسوس کرتا ہے اور باطنی معاملات میں اس سے مدد لیتا رہتا ہے۔ دوسرے لوگوں کی نسبت کرامات کا ظاہر ہونا ضروری نہیں، لیکن مریدوں کے لئے ان کی شخصیت کرامات ہی کرامات ہیں۔ مرید اپنے بزرگ کی کرامات کیوں محسوس نہ کرے، جبکہ اس نے مردہ دل کو زندہ کر دیا ہے اور مشاہدہ و مکاشفہ تک پہنچا دیا ہے۔ عوام کے نزدیک جسموں کا زندہ کرنا عظیم الشان کام ہے، جب کہ خواص کے نزدیک فرد کے قلب و روح کو زندہ کرنا سب سے بڑی کرامت ہے۔ (ایضا)

## اہل اللہ کا کام دل اور روح کو زندہ کرنا

خواجہ محمد پارسا قدس سرہ رسالہ قدسیہ میں فرماتے ہیں کہ چونکہ جسم کا زندہ کرنا اکثر لوگوں کے نزدیک بڑے کمال کی بات ہے، اس لئے اہل اللہ اس طرف سے منہ پھیر کر، روح اور وقلب کو زندہ کرنے کے کام میں مشغول ہیں۔ واقعی جسمانی زندگی، قلبی و روحانی زندگی کے مقابلہ میں پڑے ہوئے کوڑے کرکٹ کی طرح ہے اور اس کی طرف نظر کرنا عبث و بے فائدہ ہے، کیونکہ جسمانی زندگی چند روزہ زندگی ہے، جب کہ روحانی قلبی زندگی دائیٰ حیات کا موجب ہے۔

بلکہ ہم کہتے ہیں کہ درحقیقت اہل اللہ کا وجود کرامت ہے اور خلق کو حق تعالیٰ کی دعوت دینا، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے اور مردہ دلوں کا زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے عظیم نشانی ہے۔ یہی لوگ دنیا کا سرمایہ ہیں۔ ”بِهِمْ يَرْزُقُونَ وَبِهِمْ يَمْطَرُونَ“ (انہی کے طفیل لوگوں پر بارش آرتی ہے اور انہی کے طفیل ان کو رزق ملتا ہے)۔ انہی کی شان میں وارد ہے کہ ان کا کلام دوا ہے اور ان کی نظرِ شفا۔ یہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہیں، ان کا ہم نشین بدجنت نہیں ہوتا اور ان کا دوست رحمتِ حق سے نامید نہیں ہوتا۔

وہ علامت کیا ہے؟ جس سے اس گروہ کا جھوٹا اور سچا جدا ہو سکے، یہ ہے کہ جو شخص شریعت پر استقامت رکھتا ہو اور جس کی صحبت سے دل حق تعالیٰ کی طرف رغبت محسوس کرے اور دل ماسوا سے سرد ہو جائے، ایسا شخص ہی اہل اللہ میں شامل ہے، مگر یہ بات ان لوگوں کے لئے ہے، جو اس گروہ کے ساتھ مناسب (یعنی محبت کا) تعلق رکھتے ہیں اور جن کو اس گروہ کے ساتھ مناسب نہیں، وہ محروم مطلق ہیں۔ (ایضا)

## تشریح

راہِ محبت میں داخل ہو کر مجاہدوں کے نتیجہ میں نفس کی طرف سے طالب میں

یہ خواہش و آرزو جنم لینے لگتی ہے کہ اسے ان مجاہدوں کا نقد نتیجہ دوسری دنیا کے مشاہدوں اور غیری صورتوں و شکلوں اور کشف وغیرہ کی صورت میں ملنا چاہئے۔ یہ نورانی روپ میں نفس کا بہت بڑا حجاب ہے، جو عرصہ تک طالبوں کو ان آرزوں کی پلیٹ میں لے لیتا ہے۔

اہل اللہ، جو نفس کے ان جبابات اور فریب کاریوں کا مشاہدہ کر چکے ہوتے ہیں۔ وہ طالبوں کو نفس کے ان جبابات سے نکالنے کے لئے انہیں یہ یقین دلانے کے لئے کوشش ہوتے ہیں کہ ذکر و فکر کے ذریعہ نفسی قوتوں کو مطیع کرنے کے مقابلہ میں کشف اور خلاف عادت چیزیں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ کشف تو اہل باطل کو بھی مجاہدوں، بھوکا رہنے، خلوت اختیار کرنے اور مخلوق کی تصویریوں کی طرف متوجہ ہونے کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ جو چیز اہل باطل کو بھی حاصل ہو، وہ خالص انعام کیسے ہو سکتی ہے، دوسروں کے حالات جاننا، وقت سے پہلے واقع ہونے والے حالات و واقعات کا معلوم ہونا، روحوں سے ملاقات کا ہونا، غیری شکلوں کا سامنے آنا، یہ ساری چیزیں مخلوق ہیں۔ اللہ کو چھوڑ کر مخلوق کی طرف متوجہ ہونا، یہ تو ما سوئی میں مصروفیت ہے۔ جب کہ راہِ طریقت کے مجاہدوں کا حاصل ہی یہی ہے کہ اللہ کے ماسوئی سے منقطع ہو کر، محض اس کا دھیان اور اس کی حضوری حاصل ہو اور اس کے انوار سے نفسی قوتوں کو پامال کیا جائے۔

ایک کشف وہ ہے، جو نفس کو بھوکا رکھنے، لوگوں سے منقطع ہو کر گوشہ نشین ہونے اور روح کو دنیا و اہل دنیا سے کیسو کرنے کے نتیجہ میں غیر مسلموں کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ پھر ایسے کشف میں کیا امتیازی خاصیت حاصل ہوئی۔

کشف کی دوسری نوعیت فراستِ مومنہ والی ہے، جس میں اہل اللہ، طالب کے حالات کو جان کر کے، اس کے لئے رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں اور انہیں

راہ محبت کے ارتقائی مراحل طے کرتے ہیں اور ان کی تربیت کر کے، انہیں نفسی قوتوں سے آزادی دلاتے ہیں اور انسانی جوہروں سے بہرہ ور کرتے ہیں۔ فراست مونہہ والے اس کشف کی نعمت تو ہر اہل اللہ کو حاصل ہوتی ہے۔

اس طرح کی فراست مونہہ جس سے طالبِ نفسی قوتوں اور مادیت سے اوپر اٹھا کر انسانی جوہروں سے بہرہ ور کرنے اور نفسِ مطمئنہ تک رسائی میں رہنمائی کی جائے، یہ فراستِ مونہہ مردوجہ کشف سے سو گنا زیادہ افضل ہے، اگر یہ فراستِ مونہہ حاصل نہیں تو واقعات و حالات اور صورتوں کا کشف سب بے معنی ہے۔

کشف و کرامات کے موضوع پر حضرت مجدد کی یہ بحث ایسی ہے، جس کا مطالعہ موجودہ دور کے اہلِ تصوف کے لئے ضروری ہے، تاکہ بزرگی کے غلط معیارات سے بلند ہونے اور غیبی تصویریوں و صورتوں سے اوپر اٹھکر، محض اللہ کو مقصود بنانے کی نفیاتِ مستحکم ہو سکے۔

اہلِ اللہ کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ جو افراد ان سے محبت کا تعلقِ مستحکم کرتے ہیں، وہ ان کے لئے ایک نئی اور پاکیزہ زندگی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ وہ پاکیزہ زندگی، قلب و روح کی زندگی ہوتی ہے، قلب و روح کو عام طور پر نفسی قوتیں بیریغمال بنانکر، ان کا محبوب سے حقیقی تعلقِ منقطع کردیتی ہیں۔ علم، دانشوری اور ذہانت کے باوجود فرد، نفسی جگابات اور تارکیکیوں کے زیر اثر زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ اہلِ اللہ سے تعلقِ قائم ہونے کے بعد پہلی بار فرد و افراد کی حقیقی روحانی، وجودانی اور اصل ایمانی زندگی شروع ہوتی ہے۔ پھر مسلسل صحبت کے ذریعہ اس میں لگاتار ارتقا ہوتا رہتا ہے۔ اہلِ اللہ کا یہ کارنامہ ایسا ہے، جو جسموں کو زندہ کرنے سے ہزار گنا زیادہ افضل ہے۔ جب دل اور روح زندہ ہو کر، محبوبِ حقیقی کو اپنا مقصود بنانے لگتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں ابدی زندگی کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ اس سے بڑھکر سعادت اور کیا

ہو سکتی ہے۔

مردہ دلوں کا زندہ ہونا، یہ اہلِ اللہ کی صحبت ہی کافیض ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں کشف و کراماتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ طالب، اہلِ اللہ کی اس کرامات کا اپنی روز مرہ زندگی میں مشاہدہ کرتا رہتا ہے کہ ان کی صحبت کی برکت سے اس کی ایمانی زندگی میں ترقی ہوتی رہتی ہے، وہ نفس پرستی کی قوتوں سے بلند سے بلند تر ہوتا جا رہا ہے اور اس کی عمل صالح کی استعداد بڑھتی جا رہی ہے۔